اسلامی تاریخ کی سچّی کہانیاں

حصّہ دوم

مرتبہ مولوی محمد حسین صاحب محویؔ لکھنوی

مکتبہ جامعہ
دہلی، نئی دہلی، لاہور، لکھنؤ، بمبئی

مطبوعہ جید برقی پریس دہلی

بار سوم ۲۰۰۰ ــ سنہ ۱۹۲۹ء ــ قیمت ۵ر

فہرست مضامین

خلیفہ منصور اور ایک زمیندار

خلیفہ منصور کے زمانے میں ایک تحصیل دار نے کسی بات پر خفا ہو کر ایک زمیندار کی جائداد ضبط کر لی۔ اور بہت ظلم کیا زمیندار فریاد کرتا ہوا منصور کے پاس پہنچا اور دعائیں دے کر عرض کیا "حضور میں ایک اپنی حاجت لے کر آیا ہوں اجازت ہو تو بیان کروں"؟

منصور نے کہا "نہیں اپنی حاجت سے پہلے کوئی مثال بیان کرو"۔

زمیندار نے دعائیں دے کر کہا "حضور والا چھوٹے بچے کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بھاگ کر اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ ماں کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں جانتا۔ پھر جب ذرا اور ہوش سنبھال کر سمجھ دار ہو جاتا ہے اور اسے کوئی درد دُکھ پہنچتا ہے تو وہ اپنے باپ سے اپنی حاجت بیان کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے باپ ماں سے بڑھ کر مددگار کون ہے۔ جوان ہونے کے بعد اگر مصیبت پڑتی ہے تو اپنے حاکم اور سردار کے یہاں جا کر شکایت کرتا ہے اور مدد چاہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حاکم باپ سے زیادہ قوی ہے اور زیادہ عقل ہوتی ہے تو بادشاہ سے انصاف کا طالب ہوتا ہے بادشاہ بھی اگر انصاف

سے کام نہیں لیتا تو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اللہ بادشاہ سے زیادہ قوی اور انصاف کرنے والا ہے۔ میں بس ایک مصیبت کا مارا ہوا ہوں میرے سئے آپ سے زیادہ قوی اور آپ کے بعد میری فریاد سننے والا خدائے پاک ہے آپ اگر انصاف کریں اور میرا حق دلا دیں تو بہتر ہا ورنہ میں خدا کی عدالت میں اپیل کروں گا۔

جیسا یہ بے لاگ اور حق بات کہنے والا تھا۔ ایسا ہی منصور بھی حق پسند اور حق شناس تھا۔

اس نے کہا! اچھا اب تم اپنی حاجت بیان کرو ہم سنیں گے اور انصاف سے کام لیں گے۔

زمیندار نے اپنا سارا قصہ اور تحصیلدار کی زیادتی کا حال بیان کیا منصور نے اسی وقت اپنے حکم سے جائداد واپس دلا دی اور اس کی پریشانی دور کی۔

تم نے دیکھا اگلے زمانے کے لوگ کس قدر حق گو، اور حق پسند تھے زمیندار نے کس طرح صاف صاف کہہ سنایا اور منصور نے سن کر انصاف سے کام لیا اللہ جب کسی کو ایسا مرتبہ دے تو ضرور انصاف سے کام لینا اور سائل کی پوری بات سننا چاہیئے۔

ابو عبداللہ بن احنف اور چند ہاتھی

عبداللہ بن احنف ایک بزرگ آدمی تھے۔ یہ ایک بار سرندیپ کے پہاڑ پر گئے۔ اور آدمی بھی ساتھ تھے۔ ایک جگہ راستہ بھول کر ایسے جنگل میں جا پہنچے جہاں بکثرت ہاتھی تھے۔ اور انسانی آبادی کا نام ونشان نہ تھا بھوک نے جب بہت پریشان کیا تو اور لوگوں نے اپنے بزرگ عبداللہ سے کہا "اب تو ہمیں بھوک کے مارے تاب نہیں۔ اجازت دیجئے کہ ایک چھوٹا سا ہاتھی مار کر اس کے گوشت سے اپنا پیٹ بھریں۔ اِن بزرگ نے بہت منع کیا۔ مگر وہ تکلیف نہ برداشت کر سکے۔ اور شیخ عبداللہ کا کہا نہ مانا۔ ایک ہاتھی کو مار کر اس کا گوشت خوب بھون بھون کر کھایا مگر شیخ عبداللہ نے ہاتھ بھی نہ لگایا۔ رات کو یہ لوگ سو رہے تھے کہ بہت سے ہاتھی اکھٹے ہو کر آ گئے اور سب کا منہ سونگھنا شروع کیا۔ ہر ایک کا منہ سونگھتے اور مار ڈالتے۔ آخر میں شیخ عبداللہ کا منہ سونگھا اور چھوڑ دیا۔ ایک ہاتھی نے انھیں سونڈ میں دبا کر اپنی پیٹھ پر لا دیا۔ اور آبادی میں لے آیا۔ سب نے دیکھا کہ ایک شخص جنگلی ہاتھی کی پیٹھ

پر بیٹھا چلا آ رہا ہے۔ سب کو سخت حیرت تھی ہاتھی ان لوگوں کو دیکھ کر ٹھہر گیا اور شیخ عبداللہ کو سونڈ سے پکڑ کر آہستہ سے زمین پر چھوڑ دیا۔ جب ہاتھی پلٹ کر چلا گیا تو لوگ ان کے پاس آئے اور شیخ عبداللہ کو اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے انھوں نے بادشاہ کو سارا قصّہ سنایا بادشاہ بہت خوش ہوا اور انھیں اچھی طرح رکھا۔ ابو عبداللہ چند روز وہاں رہ کر اپنے گھر چلے آئے۔

سچ کہا ہے کہ نیکی کا بدلہ نیک ہے۔ جب تم کسی کے ساتھ برائی نہ کروگے تو یاد رکھو کہ تمھیں بھی کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

(ابن بطوطہ)

مرزا مراد کی ثابت قدمی!

اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ کا بھائی دارا شکوہ اس کا مخالف ہو گیا اور ساٹھ ہزار سوار فوج لے کر عالم گیر کے مقابلے کو نکلا اور سموگڈھ میں ٹھہرا اس کے پاس ہی عالمگیر اور مرزا مراد اپنی فوجیں لئے ہوئے پہلے سے موجود تھے دونوں فوجوں میں بڑے زور شور کی لڑائی ہوئی اس معرکہ میں مرزا مراد نے اس ثابت قدمی سے جنگ کی کہ اس کی مثال مشکل سے ملے گی اس کا ہاتھی کا ہودہ تیروں سے بھن گیا اور خود بھی لہو لہان ہو گیا مگر پہاڑ کی طرح کھڑا ہوا دشمنوں پر تیر برساتا رہا آخر مرزا مراد کی ثابت قدمی سے عالمگیر کو فتح ہوئی۔ اور مراد کی بہادری کا یہ کارنامہ ہمیشہ زندہ رہ گیا۔

یہ ہودہ فرخ سیر کے زمانہ تک یادگار کے طور پر قلعے میں محفوظ رہا۔

وقت پڑنے پر ایسی ہی بہادری دکھانا اور ثابت قدم رہنا چاہیئے۔

حضرت عمرؓ اور ہرمزان

ہرمزان فارس کی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔ اس نے اسلامی لشکر سے شکست کھائی اور قید کر کے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لایا گیا حضرت عمرؓ نے قتل کا حکم دیا اس نے کہا "میں پانی پینا چاہتا ہوں" پانی لایا گیا ہرمزان نے پانی کا کٹورا اُسے کر منہ سے لگایا۔ مگر فوراً گھبرا کر ہٹا لیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "کیوں پیتا کیوں نہیں ہے"

ہرمزان نے کہا "ایسا نہ ہو کہ پانی پیتے میں آپ قتل کریں۔ میں چاہتا ہوں۔ جب تک یہ پانی نہ پیوں قتل نہ کیا جاؤں"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہاں تمہاری یہ درخواست منظور ہے جب تک یہ پانی نہ پی لو گے۔ قتل نہ کئے جاؤ گے"

ہرمزان نہایت ہوشیار آدمی تھا اسے جان بچانے کی ایک تدبیر سمجھ میں آ گئی۔ اس نے فوراً پانی کا کٹورا پھینک دیا۔

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اب ہرمزان قتل کیا جائے۔ یہ سنکر شریر ہرمزان بولا "حضور ابھی تو مجھے امان دے چکے ہیں اور یہ فرما چکے ہیں کہ جب تک یہ

پانی نہ پی لوگے قتل نہ کئے جاؤ گے۔ میں نے پانی کب پیا۔

حضرتِ عمرؓ بھی اپنی بات کے دھنی اور سچے مسلمان تھے۔ وہ کیوں کر مکر سکتے تھے۔ آپ نے اسی وقت رہا کر دیا اور فرمایا "تم نے بڑی چالا کی سے اپنی جان بچائی۔ اچھا جاؤ ہم تمھیں معاف کرتے ہیں"۔ اب ہرمزان کی خوشی کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ ہرمزان بھی شریف آدمی تھا اس نے بھی جان کی امان پاکر اس احسان کا پورا حق ادا کیا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ اور کافروں سے ایسی ایسی لڑائیاں لڑا کہ تاریخ کے صفحات میں اس کا نام زندہ ہے شریف آدمی اپنی بات کے ایسے ہی پکے ہوتے ہیں اور نیک لوگ احسان کو نہیں بھولتے۔

ناصرالدین شاہ کی عالی ہمتی اور سیرچشمی

ناصرالدین سلطان التمش کا پوتا تھا۔ اس کی عالی ہمتی کا ایک قصہ ہم تمھیں سناتے ہیں۔ ابھی یہ کم سن ہی تھا کہ اس کے چچا نے اسے نظربند کردیا مگر یہ بالکل نہ گھبرایا اور نہ بددل ہوا۔ اس کے چچا نے جب کوئی چیز تحفہ کے طور پر بھیجی تو ناصرالدین محمود نے یہ لینے سے انکار کردیا اور یہ کہا کہ میں اپنی خوراک اور لباس کے لئے خود اپنے ہاتھ سے کماؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اس زمانے میں ہر طرف اس طرح چھپی ہوئی کتابیں نہیں تھیں۔ یہ ناصرالدین نے عربی فارسی کی کتابیں نقل کرنا اور ان کو بیچنا شروع کردیا اور اس طرح وہ اپنی ضروریات زندگی کے لئے کسی کا محتاج نہ رہا۔ نظربندی کے دن لکھنے پڑھنے میں صرف کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ بڑا عالم اور اعلیٰ خوش نویس ہوگیا۔ اور علم میں ایسا جی لگا کہ اسے قید میں کوئی تکلیف نہ معلوم ہوئی۔

اپنے چچا کے مرنے کے بعد ناصرالدین نے رہائی پائی اور سلطنت

کے کاموں میں مصروف رہنے پر بھی اس نے کتابوں کا لکھنا نہ چھوڑا اور اپنی اکیس سال کی حکومت میں خزانے کا ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا۔ وہ غریبوں کی طرح رہتا تھا۔ اور جو کچھ ضرورت ہوتی تھی اپنی مزدوری سے پوری کرتا۔ اس کی یہ عالی ہمتی اور محنت ہمیشہ یادگار رہے گی۔

حضرت خالد کا ایثار اور بہادری

حضرت عمرؓ کے زمانے میں طرابلس میں مسلمانوں سے کافروں کی
ایک سخت لڑائی ہوئی اس لڑائی میں سخت مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا سردار
نہایت پریشان تھے اور دشمن کی فوج جوش میں بڑھی چلی آتی تھی ایک
سردار عبد اللہ بن انیس نے فوج کی حالت اپنے سپہ سالار حضرت ابو عبیدۃ اللہ
ابن جراح سے بیان کی اول تو کثرت سے مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو جانے
کا صدمہ دوسرے یہ خیال اور زیادہ پریشان کئے دیتا تھا کہ ان کی سپہ
سالاری میں یہ پہلی لڑائی تھی۔ وہ پریشان ہو کر حضرت خالد کے پاس آئے۔
اور کہنے لگے "اے سیف اللہ مسلمانوں کی مدد کرو۔ خدا تمھاری مدد کرے گا
وہ دشمنوں کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطے کھا رہے ہیں اور ہم سے
ہمیشہ کے لئے جدا ہونا چاہتے ہیں ان کے مبارک سر جو خدا کے سوا کسی
کے سامنے نہیں جھک سکتے گھوڑوں کے قدموں میں روندے جانے والے
ہیں یہ ایمان دار ہیں اور بے ایمانوں میں گھر گئے ہیں اے خالد! دشمنوں
کو مار کر انھیں بچاؤ" حضرت خالد یہ تقریر سنکر بیتاب ہو گئے۔ اور کہنے لگے "اے

سرداری میں آپ کے حکم کا منتظر ہی تھا۔ خدا کی قسم امیر المومنین عمر فاروقؓ اگر آپ کی جگہ کسی لڑکے کو بھی میرا سردار مقرر کرتے تو میں اس کا حکم بھی اس طرح مانتا جیسا کہ حضرت عمر فاروق کے فرمان کو مانتا۔ میرا سر خدا کی راہ اور اسلام کی حمایت میں فدا ہے۔ میں ہر وقت مرنے پر تیار ہوں۔"

یہ کہہ کر فوراً تلوار ٹیک کر کھڑے ہو گئے۔ لڑائی کا لباس پہنا اور ایک چھوٹا سا فوج کا دستہ لے کر میدان جنگ میں نہایت تیزی کے ساتھ پہنچے اور بلند آواز سے پکارا: "السلام علیکم اے بہادر مسلمانو! گھبراؤ نہیں میں خالدؓ بن ولید تمھاری مدد کو آ گیا ہوں"۔ مسلمانوں کے دل بڑھ گئے۔ اور فوج کو مرتب کر کے دشمن پر ایسا حملہ کیا کہ اسے شکست دی اور مار بھگایا۔

دیکھا یہ تھا حضرت خالد کا ایثار اور بہادری کہ حضرت ابو عبیدہ اور خلیفہ کے حکم کو کس طرح مانا۔ غدر کرنا اور اپنی معزولی سے بد دل ہونا تو جانتے ہی نہ تھے۔

(تہذیب)

حضرت ضرارؓ کی بہادری

حضرت ابو عبیدہ کے زیر کمان جو فوج ملک و شام میں کافروں سے لڑ رہی تھی اس میں ایک فوجی دستے کے افسر حضرت ضرار تھے۔ یہ بڑے بہادر بھی تھے اور لڑائی کے فن میں بڑے ماہر تھے۔ یہ اسس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑا رہے تھے کہ کافروں کا سپہ سالار ان کی دلیری اور ثابت قدمی کو دیکھکر حیرت کر رہا تھا۔ آخر ضرار کے ہاتھوں اپنی فوج کا خون بہتے دیکھکر ضبط نہ ہو سکا۔ آگے بڑھ کر اس نے ان پر حملہ کیا۔ عیسائی سپہ سالار کی یہ جرات دیکھکر ضرار کو بھی حیرت ہوئی یہ بڑا قوی اور بھاری بدن کا آدمی تھا تھوڑی دیر تک دونوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ دونوں اپنی بہادری کے کرتب دکھاتے رہے۔ تھوڑی دیر میں اسلامی بہادر کے گھوڑے نے دشمن کی تلوار کا ایک زخم کھا کر بیتابی سے ٹھوکر کھائی اور اپنے زور میں زمین پر آرہا۔ حضرت ضرار کے لئے یہ وقت نہایت نازک تھا مگر استقلال اور بہادری کو ہاتھ سے نہ دیا اور وہ نہایت تیزی سے اٹھکر پیدل ہی اپنے دشمن کے مقابلے پر آکر کھڑے ہو گئے اس وقت ضرار نے نیزہ ہاتھ سے پھینک تلوار ہاتھ میں لے لی اور حملہ آور شیر کی طرح جھپٹ کر پہلے ہی وار میں دشمن کا سر اڑا دیا۔ اور جھٹ اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فتح حاصل کی۔

حجاج اور ایک بڈھا گاؤں والا

حجاج ابن یوسف بہت ظالم گورنر تھا مگر اس کی طبیعت میں بردباری بھی تھی ایک روز سیر و شکار کے لئے شہر سے باہر گیا۔ کسی مقام پر اس کے ساتھی اس سے جدا ہو گئے۔ یہ اکیلا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک بڈھے گاؤں والے سے ملاقات ہوئی۔ حجاج نے پوچھا: شیخ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

بڈھا۔ اسی گاؤں کا۔

حجاج۔ شہر کے حاکموں کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔

بڈھا۔ سب بڑے پاجی۔ شریر ہیں۔ لوگوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔ ان کا مال چھین لیتے ہیں۔

حجاج۔ اچھا حجاج کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

بڈھا۔ وہ سب سے بڑا بدمعاش اور شریر ہے خدا اس کا منہ کالا کرے۔

حجاج۔ تم جانتے ہو میں کون ہوں۔

بڈھا۔ جی نہیں۔ خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔

حجاج۔ حجاج میں ہی ہوں۔

بڈھا۔ اور حضور مجھے پہچانتے ہیں۔ میں قبیلہ بنی عجل کا مجنوں ابن عامر ہوں
دن کو روزانہ اسی وقت میرے جنون کا زور ہوتا ہے۔

حجاج کو بڈھے گنوار کی اس چالاکی پر بے اختیار ہنسی آگئی۔ اس نے
چھوڑ دیا۔ جان بچی لاکھوں پائے

حجاج کی بردباری اور بڈھے کی چالاکی دیکھی آدمی کو بری بات سن کر
برا نہ ماننا چاہیئے اور جلدی میں ایسا نہ کرنا چاہیئے کہ دوسرے کی جان ومال
کو نقصان پہنچے۔ اور وقت پر گھبرائے بھی نہیں۔ بلکہ ہوشیاری سے کام
لے تو ساری مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

ابو یعقوب یوسف مغربی اور سلطان نورالدین

ابو یعقوب یوسف ایک بزرگ آدمی تھے۔ ایک بار وہ دمشق گئے اور وہیں بیمار ہو گئے۔ دمشق میں انھیں کوئی پہچانتا نہ تھا۔ یہ ایک سڑک کے کنارے پڑے رہے۔ نہ کوئی عزیز تھا اور نہ کوئی علاج کرنے والا۔ اچھے ہونے کے بعد باہر گئے تاکہ کسی شاہی باغ میں رکھوالی کی خدمت پر نوکر ہو جائیں سلطان نورالدین کے ایک باغ میں مقرر ہو گئے۔ ان کی نوکری کو چھ مہینے گذر چکے تھے کہ ایک روز میوؤں کی تیاری کے زمانے میں بادشاہ اپنے باغ میں آیا۔ باغ کے افسر نے ابو یعقوب کو بلا کر حکم دیا۔ بادشاہ سلامت کے کھانے کو انار توڑ لاؤ۔ یہ ایک انار توڑ لائے۔ بادشاہ نے چکھا تو کھٹا تھا۔ ان سے کہا ایک اور لے آؤ۔ یہ اور لے آئے وہ بھی کھٹا نکلا۔ پھر حکم دیا اور لے آؤ۔ یہ اور لائے بادشاہ نے چکھا تو اسے بھی کھٹا پایا۔ پھر ہی ہوا۔ افسر باغ نے کہا تم چھ مہینے سے باغ کی رکھوالی کر رہے ہو اور آج تک تمھیں یہ معلوم نہ ہوا کہ میٹھا کون ہے اور کھٹا کون ہے۔ ابو یعقوب نے جواب دیا آپ نے مجھے رکھوالی پر رکھا ہے چکھنے اور کھانے پر تو نہیں رکھا۔ باغ کے افسر کو اس ایمانداری

اور پرہیزگاری پر حیرت ہوئی۔ اس نے جا کر بادشاہ کو سارا قصہ سنایا۔ انھیں دنوں بادشاہ نے ایک روز خواب میں دیکھا تھا کہ ابویعقوب سے ملاقات ہوئی ہے۔ وہ سمجھ گیا۔ ہو نہ ہو وہ بزرگ یہی ہیں۔ انھیں بلایا اور پوچھا آپ کا نام ابویعقوب ہے انھوں نے کہا جی ہاں، بادشاہ گلے ملا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ دعوت کی اور کئی روز مہمان رکھا۔

سلطان نورالدین خود بھی بڑا ایماندار اور پرہیزگار آدمی تھا۔ یہ حکومت کے خزانے سے اپنے ذاتی خرچ کے لئے کبھی ایک پیسہ بھی نہ لیتا تھا بلکہ خود محنت کر کے روزی پیدا کرتا تھا۔ حضرت ابویعقوب جتنے دن رہے اپنی کمائی میں سے انھیں کھلاتا رہا۔ ایک روز خدا جانے کیا جی میں آئی کہ ابویعقوب دمشق سے چپکے ہی چل دئے۔ سخت جاڑے پڑ رہے تھے۔ آپ نے اپنے لئے کوئی جوڑا دل کپڑا بھی نہیں لیا۔ یہ بزرگ شاہان مغربی کی اولاد میں سے تھے اور چٹائیاں بنا کر اپنا پورا کرتے تھے، موضع کرک لوح میں ان کا مزار ہے سبحان اللہ کیسے کیسے نیک اور ایمان دار مسلمان تھے۔

مامون اور ایک نگینہ ساز

خلیفہ مامون بڑا بردبار تھا۔ ایک روز کا قصہ ہے کہ مامون کے ہاتھ میں ایک بڑا سرخ یاقوت تھا۔ اور اس طرح چمک رہا تھا کہ اس کی شعاعوں کے آگے سورج کی کرنیں ماند تھیں۔ تمام دربار جگمگا رہا تھا اور حاضرین کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہو رہی تھی۔ مامون اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتا اور اس کی تعریف بیان کرتا جاتا تھا۔ پھر اس نے ایک نگینہ ساز کو بلایا۔ اور اسے بتایا کہ اس کو اس طرح اسے بنالاؤ۔ تین روز کے بعد مامون نے نگینہ ساز کو بلایا۔ وہ حاضر ہوا لیکن خوف اور دہشت کے مارے کانپ رہا تھا۔ مامون نے پوچھا نگینہ کیا کیا یہ سن کر نگینہ ساز اور لرز گیا۔ مگر کچھ نہ بولا۔

مامون سمجھ گیا ضرور نگینہ کو کچھ نقصان پہنچا ہے۔ اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اور پھر نگینہ ساز سے دریافت کیا۔

نگینہ ساز نے کہا۔ یا امیر المومنین جان بخشی ہو تو عرض کروں۔

مامون۔ ہاں تمھارے لئے امان ہے۔

نگینہ ساز۔ یا امیر المومنین نگینہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر لوہے پر گر پڑا اور یہ حالت ہو گئی۔ یہ کہہ کر نگینہ پیش کر دیا۔

مامون:۔ اچھا کچھ پروا نہیں۔ تم ڈرو نہیں۔ بلکہ اس کی چار انگوٹھیاں ہمارے لئے بنا لاؤ۔

پھر مامون دیر تک نگینہ ساز سے اس طرح سے نرم باتیں کرتا رہا جیسے اسے چار ہی نگینے چاہئے تھے۔

نگینہ ساز کے دل سے خوف اور دہشت بالکل دور ہو گئی اور وہ نہایت خوش ہو کر دربار سے نکلا۔ باہر آ کر کہنے لگا۔ آپ لوگ جانتے ہیں اس نگینے کی کیا قیمت تھی۔

حاضرین نے کہا: نہیں

نگینہ ساز نے بتایا یہ یاقوت ہارون رشید نے ایک لاکھ بیس ہزار روپے میں خریدا تھا۔ اللہ اکبر اتنے بڑے نقصان پر بھی کچھ نہ کہنا کمال بردباری نہیں تو اور کیا ہے۔

اس قصے کے بیان کرنے والے سلیمان وراق کہتے ہیں۔ میں نے اپنی عمر میں مامون سے بڑھ کر بردبار اور غصے کو ضبط کرنے والا نہیں دیکھا۔

خلیفہ ہادی اور ایک خارجی

ہارون رشید خلیفہ کا بڑا بھائی خلیفہ موسیٰ ہادی ایک روز گھوڑے پر سوار ایک باغ کی سیر کر رہا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ساتھ میں چند اور مصاحب اور عزیز بھی تھے۔ اتنے میں باغ کا پہرہ دار حاضر ہوا۔ اور اس نے اطلاع دی۔ دروازے پر فلاں خارجی حاضر ہے جسے ایک فوجی افسر گرفتار کر کے لایا ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا اندر لے آؤ دو آدمی اس کے دونوں ہاتھ پکڑے حضور میں لائے۔ خارجی نے خلیفہ کو دیکھتے ہی جھٹکا دے کر ہاتھ چھڑا لئے اور جھٹ ایک شخص کی تلوار چھین کر خلیفہ پر حملہ کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر، اور سب مصاحب و عزیز ادھر اُدھر بھاگ گئے۔ مگر بادشاہ اپنے گھوڑے پر جما رہا اور بھاگنے کا خیال دل میں نہ لایا۔ خارجی بالکل قریب آ گیا۔ اور تلوار کا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بادشاہ نے گردن کا اشارہ کیا اور کہا اے غلام اس کی گردن مار حالانکہ یہاں کوئی غلام موجود نہ تھا۔ یہ چال کام دے

گئی۔ خارجی نے یہ سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ خارجی کا منہ پھیرنا تھا کہ خلیفہ فوراً خارجی کی پیٹھ پر کود پڑا اسے زمین پر گرا دیا اور تلوار چھین کر وہیں ذبح کر دیا پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ اس کے بعد ساتھ والے تلواریں لے لے کر آئے۔ لیکن شرم کے مارے بادشاہ سے آنکھ نہیں ملا سکتے تھے بہادر خلیفہ نے ان سے کچھ نہ کہا جس کے سبب وہ اپنی بزدلی پر اور بھی شرمندہ ہوئے۔

شاہ نجاشی کی ایمان داری

حبش کے بادشاہ نجاشی کا چچا بڑا خود غرض اور بے ایمان تھا. اس نے اپنی حکومت کے زمانے میں نجاشی کو ایک سوداگر کے ہاتھ چھ سو درم میں بیچ ڈالا تاکہ وہ بادشاہ نہ ہو سکے۔ نجاشی کو سوداگر غلام بنا کرلے گیا لیکن ابھی تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ اس کے چچا نے انتقال کیا اور ملک کے ذمہ دار لوگوں کو تجربے سے معلوم ہو گیا کہ اس کی نالائق اولاد میں کوئی بادشاہی کے قابل نہیں ہے سب پریشان تھے کہ کیا کریں۔ ایک عقل مند نے کہا. خدا کی قسم جب تک نجاشی کو بادشاہ نہ بناؤ گے تمہاری سلطنت نہ سنبھلے گی۔ حبش کی حکومت باقی رکھنا چاہتے ہو۔ تو نجاشی کو واپس لانے کی کوشش کرو۔ سب نے مان لیا۔ کچھ لوگ جا کر بڑی مشکل سے نجاشی کو لائے۔ اور تخت پر بٹھایا۔ چار دن کے بعد نجاشی کا مالک سوداگر آن پہنچا۔ دربار کے جن امیروں سے اس نے نجاشی کو خریدا تھا۔ ان سے کہا۔ یا تو میرا روپیہ واپس کرو۔ یا مجھے بادشاہ سے بات کرنے کی اجازت دلواؤ درباریوں نے اطلاع دی۔ بادشاہ نے بلوا بھیجا۔ سوداگر اس کی عمدہ عادتوں سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بادشاہ بڑا نیک دل، بردبار، حق اور انصاف کا دھنی ہے۔ دربار امیروں سے بھرا ہوا تھا مگر سوداگر نے کچھ پرواہ نہ کی اور

اور بلند آواز سے کہا۔ جہاں پناہ! آپ کی حکومت میں یہ کیسا اندھیر مچا ہوا ہے
میں نے ایک غلام چھ سو درم میں خریدا تھا۔ غلام بھی مجھ سے چھین لیا گیا اور
میرا روپیہ بھی واپس نہیں دیا جاتا۔ امرائے دربار یہ سن کر غصے کے مارے
بیتاب ہو گئے۔ چاہتے تھے کہ سوداگر کو اس گستاخی کی سزا دیں۔ اس موقع
پر کوئی اور بادشاہ ہوتا تو خدا جانے کیا کر گذرتا لیکن حق پسند منصف مزاج
نجاشی کی پیشانی پر بل تک نہ آیا اس نے امرا سے کہا۔ یہ سوداگر سچ کہتا ہے یا
تو اس کا روپیہ واپس دو ورنہ اس کا غلام اس کے ساتھ جاتا ہے۔ سوداگر کو
اختیار ہے جہاں چاہے لے جائے۔ امرا پر بڑا اثر ہوا۔ فوراً انھوں نے چھ سو
درم دے کر سوداگر کو رخصت کیا۔ انصاف اسی کا نام ہے شریف آدمی سچ
بات پر برا نہیں مانتے بلکہ اس کی طرفداری کرتے ہیں۔

مامون اور ایک نوجوان چور

خلیفہ مامون کے زمانے میں ایک نوجوان نے چوری کی۔ چور گرفتار کرکے بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر نوجوان چور بہت گھبرایا اور آگے بڑھ کر دو شعر پڑھے جن کا مطلب تھا کہ امیرالمومنین خدا کے لئے میں حضور سے معافی چاہتا ہوں کہ میرا ہاتھ نہ کاٹا جائے کہ وہ عیب دار ہو جائے گا۔ اور جب داہنا ہاتھ بائیں سے جدا کر لیا گیا تو دنیا میں کیا آرام مل سکتا ہے زندگی بیکار ہے۔ نوجوان چور کی بوڑھی ماں بھی پاس ہی کھڑی ہوئی تھی وہ رو کر کہنے لگی۔ یا امیرالمومنین یہ میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ خدا کے لئے میرے حال پر رحم فرمائیے اور میرے دل میں جو غم کی آگ بھڑک رہی ہے اسے بجھائیے۔ بیشک یہ اسی سزا کے لائق ہے لیکن حضور سزا کے عوض اپنے رحم و کرم سے کام لیں اور مجھ پر ترس کھائیں۔ وہ بہت روئی، گڑگڑائی، خلیفہ نے کہا۔ یہ تو اللہ کی مقرر کی ہوئی سزا ہے۔ ہم کیوں کر معاف کر سکتے ہیں۔ بڑھیا نے رو کر کہا "امیرالمومنین آپ اس سزا کو اپنے حکم سے بدل سکتے ہیں۔ اور معاف کر سکتے ہیں۔ خدا کے لئے ترس کھائیے۔

مامون بڑا رحم دل اور نیک بادشاہ تھا۔ آخر اسے رحم آگیا اور نوجوان چور کا قصور معاف کیا۔ بڑھیا دعائیں دیتی ہوئی اپنے گھر کو سدھاری۔

حضرت علیؓ اور آپ کی صاحبزادی

حضرت علی کے زمانہ خلافت میں بصرے کی لڑائی میں ایک موتیوں کا ہار بیت المال (خزانہ) میں آیا۔ خزانے کے افسر اور آپ کے میر منشی علی بن ابی رافع ایک بزرگ تھے اس ہار کی خبر حضرت علی کی صاحبزادی کو بھی ہو گئی تھی بقر عید سے ایک روز پہلے آپ نے علی بن رافع کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین کے بیت المال میں ایک موتیوں کا ہار ہے آپ دو ایک روز کے لئے بھجوا دیجئے میں بقر عید کے دن پہن کر واپس کر دوں گی۔ ابن ابی رافع نے جواب دیا میں اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ تین روز کے بعد ضرور واپس ہو جائے۔ صاحبزادی صاحبہ نے منظور کیا۔ ہار خزانے سے ان کی خدمت میں بھجوا دیا گیا عید کے دن اتفاق سے ہار پر امیر المومنین کی نظر پڑی۔ آپ نے پہچان لیا اور ان سے پوچھا۔ یہ ہار کہاں سے آیا؟

صاحبزادی:۔ امیر المومنین کے بیت المال سے، ابی بن رافع

خازن سے عید میں پہنے کو تین روز کے وعدے پر لیا ہے۔
حضرت علیؓ نے اسی وقت اپنے خزانچی کو بلایا اور ان سے کہا۔
ابن ابی رافع تم مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے ہو۔؟
ابو رافع:۔ حضور خدا کی پناہ۔ میں اور مسلمانوں کے مال میں خیانت!
حضرت علی:۔ تم نے ہماری بغیر اجازت، اور مسلمانوں کی بغیر مرضی کے یہ موتیوں کا ہار صاحب زادی کو کیوں دیا؟
ابو رافع۔ اے امیر المومنین وہ حضور کی صاحب زادی ہیں اور انھوں نے صرف عید کے دن پہنے کو عاریۃً لیا ہے تین روز کے وعدے پر دیا گیا ہے آپ اطمنان رکھئے وعدے پر واپس آجائے گا۔
حضرت علی۔ نہیں آج ہی لاکر داخل کردو۔ اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ورنہ ہمارے ہاتھ سے سخت سزا پاؤ گے۔
پھر فرمایا مجھے اپنی بیٹی پر بھی سخت افسوس ہے۔ اگر یہ ہار تین روز کے لئے نہ لیا گیا ہوتا۔ تو وہ پہلی ہاشمی عورت ہوتی جس کا ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹا جاتا۔
ان باتوں کی خبر صاحب زادی صاحبہ کو پہنچی۔ آپ نے باپ کی

خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ امیر المومنین! میں تو آپ کی بیٹی اور آپ کی لخت جگر ہوں۔ مجھ سے زیادہ حق دار یہ ہار پہننے کا کون ہو سکتا ہے۔

حضرت علی۔ اے علی کی بیٹی حق کو نہ چھوڑو۔ اور ایمان سے نہ پھرو۔ کیا اور تمام مہاجرین اور انصار کی بیٹیاں بھی عید کے دن ایسے ہی ہاروں سے آراستہ ہوں گی جو تم آراستہ ہونا چاہتی ہو۔

اب صاحبزادی صاحبہ کے پاس خاموشی کے سوا کیا جواب تھا ہار اسی وقت سے کر بیت المال پہنچا دیا گیا۔

عالم گیر کا استقلال اور درگذر

عالم گیر دکن میں تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ شاہ جہاں سخت بیمار ہے۔ یہ دکن سے آگرے (اکبر آباد) روانہ ہوگیا۔ راستے میں معلوم ہوا کہ اس کے بھائی دارا شکوہ کی طرف سے ایک سردار جسونت سنگھ بڑی بھاری فوج لئے ہوئے اجین میں پڑا ہے۔ عالم گیر نے بہت عاجزی اور منت کی اور کہلا بھیجا کہ اعلیٰ حضرت (باپ) بیمار ہیں ان کی عیادت کو جاتا ہوں تم مجھے جانے دو لیکن جسونت سنگھ نہ مانا۔ آخر سخت لڑائی ہوئی اور جسونت سنگھ شکست کھا کر بھاگ نکلا اس کے بعد عالمگیر جب بادشاہ ہوگیا تو پہلے ہی سال جسونت نے قصور کی معافی مانگی۔ عالمگیر نے فیاضی سے معاف کر دیا۔

پھر عالمگیر اور اس کے بھائی شاہ شجاع میں جنگ ہوئی جسونت کو عالمگیر نے فوج کا افسر مقرر کیا لیکن نمک حرام جسونت نے شجاع سے پہلے ہی سازش کر لی تھی۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی ہوئی تھیں جسونت رات کے پچھلے پہر یک دم اپنی تمام فوج کے ساتھ عالمگیر کی فوج سے نکل شاہ شجاع کی فوج کی طرف چلا اس نے شاہی خزانہ اور اسباب پر بھی ہاتھ ڈالا اور اس قدر حالت خراب ہوگئی کہ عالم گیر کی کوئی آدھی فوج

جسونت کے ساتھ شاہ شجاع سے جا ملی۔ یہ نہایت نازک وقت تھا۔ مگر واہ رے عالم گیر اس کی پیشانی پر شکن تک نہ آیا۔ وہ اپنی بہادری اور دلاوری سے کسی مصیبت کو خاطر میں نہ لایا۔ آخر خدا نے مدد کی اور اس بے سرو سامانی میں بھی میدان اسی کے ہاتھ رہا جسونت بھاگا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے اور سونے سے لکھنے کے قابل ہے کہ جسونت بھاگ کر جب اپنے وطن پہنچا تو اس کی بیوی نے اسے پاس نہ آنے دیا۔ اور تمام عمر اس سے الگ رہی وہ کہنے لگی پیٹھ والا میری محبت کے قابل نہیں ہے۔ چند روز کے بعد۔ جب جسونت کا کہیں ٹھکانا نہ رہا تو پھر معافی مانگی۔ عالم گیر بہادر ہی نہیں فیاض اور رحم دل بھی تھا اس نے پھر رحم دلی سے کام لیا جسونت مارے شرم کے منہ دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ عالمگیر نے اس کا غائبانہ منصب اور خطاب و جاگیر بحال کر کے احمد آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا اور کئی بار بڑی بڑی مہموں پر بھیجا مگر جب سیواجی کے مقابلے پر دکن میں بھیجا تو نمک حرام پھر اپنی عادت سے باز نہ رہا اور بونڈی کے راجہ کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ آخر جسونت سنگھ کابل کی مہم پر بھیجا گیا اور وہیں قضا کر گیا۔ عالمگیر نے اس کے قصور کو کئی بار معاف کیا۔ اورنگ زیب عالمگیر بڑا اچھا بادشاہ تھا۔

ہمایوں بادشاہ اور نظام سقا

شیر شاہ سے ہمایوں بادشاہ کی جب صلح ہو گئی تو شیر شاہ نے ہمایوں سے کہا اب آپ دہلی جا سکتے ہیں۔ ہمایوں اور اس کے ساتھی شیر شاہ کی بات پر بھروسہ کر کے جانے کو تیار ہو گئے اور دوسرے دن دریائے گنگا کے پار اترنے کی تیاری کی یہ سب کئی روز کے تھکے ماندے تھے۔ ہتھیار کھول ڈالے اور آرام واطمینان سے سو رہے۔ شیر شاہ نے بد عہدی کی وہ صبح تڑکے اپنی فوج لے کر پہنچا اور ہمایوں کے اکثر ساتھیوں کو مار ڈالا، ہمایوں اور چند سردار بھاگے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا پار اترنے کی کوشش کی دریا زوروں پر تھا اس کے تیز دھارے میں گھوڑے نہ سنبھل سکے۔ ہمایوں پانی میں ڈوبنے لگا اس مصیبت میں کسی کی امداد کرنا بڑی شرافت کا کام ہے ایک بھشتی اپنی مشک پھیلائے اس کے سہارے تیر رہا تھا۔ اس نے ہمایوں سے کہا اس پر ہاتھ رکھ لو اور چلے آئیے یوں بھشتی اور اس کی مدد سے اس کی جان بچی اور صحیح سلامت دریا کے پار آ گیا۔

ہمایوں نے بھشتی سے نام پوچھا اس نے بتایا میرا نام نظام محمد سقا ہے

ہمایوں نے کہا اگر تم آگرے آؤ تو تمھیں تین گھنٹے کے لئے اپنے تخت پر بٹھا دوں گا اور بادشاہ بنا کر تمھارے حکم جاری کردوں گا۔

ہمایوں کے آگرے پہنچنے سے کچھ دیر پہلے بہشتی بھی آ پہنچا تھا۔ اس سے ملا اور وعدہ یاد دلا دیا۔ ہمایوں نے تین گھنٹے کے لئے اسے اپنے تخت پر بٹھا دیا نظام سقا نے اپنی مشک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کٹوائے اور اپنے نام کی مہر لگوائی اور انھیں سکوں کی طرح چلایا۔ اس نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بڑے بڑے انعام دلوائے۔ اس طرح ہمایوں نے اپنے محسن کا پورا پورا حق ادا کیا اور جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا۔ وہ نظام سقا اور اس کے احسان کو بادشاہی عیش میں بھی نہ بھولا۔ اپنا وعدہ پورا کرنا اور احسان نہ بھولنا یہ بڑی شرافت اور انسانیت ہے۔

ابوالقاسم اور بیرم خاں

ہمایوں بادشاہ نے جب شیرشاہ سے قنوج کی لڑائی میں شکست کھائی تو یہ اپنی جان بچا کر ایران کی طرف بھاگا اس کی فوج اور نوکر چاکر بھی تتر بتر ہوگئے انھیں میں اس کا ایک پیارا سردار بیرم خاں بھی تھا۔ یہ بھی بے چارا اپنی جان بچائے دیس بدیس مارا پھرتا تھا۔ اس برے وقت میں اس کا ایک سچا دوست گوالیار کا حاکم ابوالقاسم بھی بھیس بدلے ہوئے بیرم خاں کے ساتھ تھا ایک دن یہ دونوں کسی درخت کے نیچے بیٹھے سوچ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہیئے اتنے میں پٹھانوں کا ایک افسر بہت سے سپاہی لئے ہوئے آگیا اور دونوں کو گھیر کر کہنے لگا۔ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو۔ کہاں جاؤ گے۔

ابوالقاسم نے کہا۔ بھائی ہم مسافر ہیں۔ مکہ شریف جانے کے لئے گجرات کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ سن کر افسر نے دل میں کچھ سوچا۔ پھر پوچھا۔ کہاں کے رہنے والے ہو۔ ابوالقاسم بول اٹھا۔ بنگال کے۔

بیرم خاں اور ابوالقاسم کی عمر ایک تھی رنگ روپ بھی ایسا ملتا تھا کہ دونوں جڑواں بھائی معلوم ہوتے تھے۔ افسر کے دل میں کچھ شک پیدا

ہوا۔ اس نے اپنے سواروں سے پوچھا۔ تم میں سے کوئی ان کو پہچانتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مغلوں کے بھیدی ہیں ایک بوڑھے سوار نے ابوالقاسم کی طرف ہاتھ کے اشارے سے بتا کر کہا۔ یہ شاید بیرم خاں ہے۔ ابوالقاسم افسر کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ ہی رہا تھا کہ بیرم خاں نے پگڑی اتار کر کہا۔ بیرم خاں میں ہوں مجھے چاہے قید کر لو چاہے مار ڈالو مگر اس بیچارے سے کچھ نہ بولو۔ یہ سنکر سارے سپاہی اور افسر دنگ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور ٹھیک ٹھیک یہ جان نہ سکے کہ بیرم خاں یہ ہے یا وہ ابوالقاسم بڑا دلیر اور جان پر کھیل جانے والا آدمی تھا اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ چاہے جو کچھ ہو اپنے دوست کی جان بچاؤں گا یہ سوچ کر وہ جھٹ کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا بیرم خاں میں ہوں اور یہ میرا نوکر ہے۔ میری جان بچانے کے لئے اپنے کو بیرم خاں بتا رہا ہے۔ آپ لوگ اس کے کہنے پر نہ جائیے۔ اس نے بہت دفعہ اسی طرح میری جان بچائی ہے

پٹھانوں کا افسر ابوالقاسم کی پٹی میں آگیا اور سمجھ لیا کہ بیرم خاں یہی ہے پھر تو اس نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ بے چارے کا سر زمین پر دھڑ سے گر پڑا، اور بیرم خاں بچ گیا۔

ابوالقاسم کی سچی دوستی اور جان بازی میں کس کو شک ہو سکتا ہے عالی ظرفی اور دوست کی سچی وفاداری اسی کو کہتے ہیں۔

ایک بچّے کی سچّائی

ایک بار چند مسلمان سوداگروں کا قافلہ بغداد کو جا رہا تھا۔ چلتے چلتے جب شام ہوگئی تو ایک جگہ یہ لوگ ٹھہر گئے یہ مقام جنگل اور بستی سے بہت دور تھا۔ سردی سخت پڑ رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے جاتے تھے۔ یہ قافلہ اچھی طرح دم بھی نہ لینے پایا تھا کہ ڈاکوؤں نے آکر حملہ کر دیا اور سارا سامان لوٹ لیا اس چھوٹے سے قافلے میں ایک بچہ بھی تھا۔ ڈاکوؤں نے اس کم سن مسافر کے کپڑوں کو ٹٹولا۔ مگر جب کچھ نہ پایا تو ایک ڈاکو نے پوچھا۔ کیا تیرے پاس کچھ نہیں ہے؟

لڑکا:۔ ہاں ہے

ڈاکو سمجھا لڑکا دل لگی کر رہا ہے۔ ہوتا تو نظر نہ آتا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر پوچھا۔ کیا ہے ؟

لڑکا:۔ چالیس روپے ہیں۔

ڈاکو:۔ کہاں ہیں۔

لڑکا:۔ کپڑوں میں ۔

ڈاکو نے بہت ٹٹولا اور ڈھونڈھا۔ مگر پتہ نہ چلا تو کہنے لگا۔ لڑکے ہم

سے مذاق کرتا ہے

لڑکا:۔ جی نہیں۔ مذاق نہیں کرتا سچ کہتا ہوں۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈاکوؤں کا سردار بھی آگیا۔ اس نے لڑکے سے پوچھا، تیرے پاس کچھ ہے ؟

لڑکا:۔ جی ہاں ہے۔

سردار:۔ کہاں ہے۔

لڑکا:۔ میرے کوٹ کے استر میں سلا ہوا ہے۔

سردار نے اسی وقت کوٹ کے استر کی سیون ادھیڑی۔ دیکھا تو واقعی روپیہ موجود تھا۔

سردار:۔ لڑکے تو بڑا بیوقوف ناسمجھ ہے۔ نہ بتاتا تو بھلا کس کو اس روپے کا پتہ چلتا۔

لڑکا:۔ جناب چلتے وقت میری اماں نے مجھے نصیحت کی تھی اور یہ سمجھا دیا تھا کہ بیٹا دیکھو خبردار۔ کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ اس وجہ سے میں نے سچ سچ کہہ دیا۔

لڑکے کی اس بھولی بھالی، اور ناسمجھی کی سچی بات نے ڈاکوؤں کے سردار کے دل پر بڑا اثر کیا وہ اپنے دل میں کہنے لگا ایک ناسمجھ چھوٹا سا لڑکا تو اپنی ماں کا اس قدر کہنا مانتا ہے۔ میں بڈھا ہوگیا اتنی عمر آئی اور اپنے

مالک خدا کے حکم کو نہیں مانتا۔ چوری کرتا ہوں ڈاکے ڈالتا ہوں۔ سردار یہ سوچ
کر دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوا۔ اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی وہ اپنی
حرکتوں پر بہت ہی پچھتایا۔ پھر اس سچے ایماندار لڑکے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں
لے کر بولا میں تمھارے سامنے توبہ کرتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ اب کبھی
خدا کے حکم سے منہ نہ موڑوں گا۔ اور کبھی ایسے برے کام نہ کروں گا۔ اس
کے ساتھیوں پر بھی ان باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ سب نے اسی وقت لوٹ مار
سے توبہ کر لی۔ اور قسم کھائی کہ کسی کو نہ ستائیں گے۔ اس کے بعد انھوں
نے اپنے سردار سے کہا! جس طرح آپ اب تک برے کاموں میں ہمارے
سردار رہے۔ اچھے کاموں میں بھی ہمارے سردار رہئے۔ سردار نے
منظور کیا اور سب، ڈاکے اور لوٹ مار کے عوض خدا کی عبادت میں مصروف
ہو گئے۔ تمام سوداگروں کو اسی وقت انھوں نے چھوڑ دیا۔ اور ان کا سارا
مال و اسباب روپیہ واپس کر کے اپنی راہ لی۔ تم نے دیکھا کہ سچائی کس
قدر اچھی چیز ہے۔ اس نے کیا اثر کیا۔ اب ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ اس
بچہ کا نام عبدالقادر تھا۔ بڑا ہو کر یہ پیارا بچہ اپنے ملک کا بہت بڑا بزرگ درویش
ہوا۔ تم نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضؓ کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ جنھیں سب بڑے
پیر صاحب کہتے ہیں۔

ایمان داری اور نیک نیتی کا پھل

خریف اور ایک دلال!

خریف ایک بزرگ اور ایمان دار آدمی تھے۔ انھوں نے ایک دلال کو کپڑے کا ایک تھان بیچنے کے لئے دیا۔ تھان میں کچھ عیب تھا۔ وہ بھی بتا دیا اور تاکید کر دی کہ بیچتے وقت خریدار کو یہ ضرور دکھا دینا۔ دلال نے سے جا کر کپڑا فروخت کر دیا۔ اور دوسرے دن قیمت لے کر آیا اور کہا۔ میں نے مسافر کے ہاتھ وہ تھان بیچ ڈالا۔

خریف :- خریدار کو عیب بھی دکھا دیا تھا؟

دلال :- نہیں یہ تو میں بھول ہی گیا۔

خریف :- افسوس یہ تو تم نے بہت برا کیا کسی کو دھوکا دینا اچھی بات نہیں ہے۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔

دلال اور خریف دونوں مسافر کے قیام گاہ پر پہنچے۔ مگر وہ نہ تھا اور دریافت سے معلوم ہوا کہ حاجیوں کے قافلے کے ساتھ مکے گیا ہے۔ خریف دلال سے خریدار کی صورت اور کچھ ضروری حالات پوچھ کر ایک تیز رفتار گھوڑے

پر سوار ہو کر چل دیتے۔ قافلے میں پہنچ کر اس شخص کا پتہ لگایا اور اس سے مل کر کہا۔ کل ایک تھان آپ نے دلال سے خریدا تھا۔ وہ تھان میرا تھا اور اس میں ایک عیب ہے۔ افسوس دلال نے آپ کو نہ بتایا آپ اپنا روپیہ لیجئے اور میرا وہ تھان واپس کر دیجئے۔ خریدار نے تھان نکال کر وہ عیب اچھی طرح سے دیکھا پھر کہا کہ جناب ذرا آپ بھی روپیہ نکالئے میں بھی دیکھ لوں روپیہ دیتے وقت پرکھنا بھول گیا تھا۔

خریف نے روپیہ نکالا۔ مسافر نے روپیہ دیکھ کر کہا بیشک میرے دیے ہوئے روپے یہی ہیں۔ ذرا آپ بھی انہیں پرکھ لیجئے۔

خریف نے غور سے دیکھا تو سب بالکل کھوٹے تھے۔ ایک روپیہ بھی کام کا نہ تھا۔ ایمان دار مسافر نے سب کھوٹے روپے اٹھا کر پھینک دیے اور خریف سے کہا۔ میں آپ کا یہ تھان اس عیب پر بھی خریدنے کو تیار ہوں پھر اور کھرے روپے نکال کر دیے۔

دونوں نے اپنی اپنی ایمان داری اور معاملے کی صفائی دکھا دی۔

حضرت معاویہ اور عبداللہ بن زبیرؓ

عبداللہ بن زبیر کی زمین سے ملی ہوئی حضرت معاویہ کی بھی ایک زمین تھی۔ دونوں کے غلام ان میں کھیتی کا کام کرتے تھے ایک بار شرارتاً سے معاویہ کے غلام ابن زبیر کی زمین میں گھس آئے۔ عبداللہ کو بھی معلوم ہوگیا آپ نے معاویہ کو ایک خط اس مضمون کا لکھا:۔

حمد و نعت کے بعد آپ کو معلوم ہو کہ میری زمین میں آپ کے غلام گھس آئے ہیں۔ آپ منع کر دیجئے۔ کہ آئندہ ایسا نہ کریں۔ ورنہ مجھ میں اور آپ میں جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ والسلام۔

معاویہ نے خط پڑھ کر اپنے بیٹے یزید کے سامنے ڈال دیا۔ وہ پڑھ چکا تو آپ نے فرمایا بیٹے اس کا کیا جواب ہونا چاہیئے۔

یزید:۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ایک زبردست فوج بھجوا دیجئے۔ جس کا ایک سرا یہاں ہو۔ اور دوسرا وہاں اور حکم دیجئے کہ عبداللہ کا سر کاٹ کر ابھی پیش کیا جائے

امیر معاویہ:۔ نہیں تمھاری یہ رائے ٹھیک نہیں کچھ اور سوچنا چاہیئے پھر آپ نے ایک کاغذ پر اسی وقت یہ جواب لکھا۔

امابعد آپ کا خط پہنچا۔ مضمون سے واقف ہوا۔ جو بات آپ کو ناگوار ہے مجھے بھی گوارا نہیں۔ دنیا اور ساری چیزوں سے مجھ کو آپ کی خوشی زیادہ عزیز ہے۔ اور سب بے کار ہیں۔ میں اپنی زمین سے ابھی دست بردار ہوا جاتا ہوں۔ آپ اسے بھی اپنی زمین میں شامل کر لیجئے اور جو کچھ میرا مال اور غلام وہاں ہیں وہ بھی سب آپ کے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر پر اس خط کا بڑا اثر ہوا۔ آپ نے فوراً یہ جواب لکھا۔

امیر المومنین (طال بقاہٗ) کی تحریر میں نے پڑھی اس کے مضمون سے واقف ہوا۔ جو رائے آپ نے ظاہر فرمائی ہے۔ وہی قریش کی رائے ہے۔ اور بہت درست ہے۔ والسلام

معاویہ کو عبداللہ بن زبیر کا خط ملا۔ آپ نے پڑھ کر یزید کے سامنے ڈال دیا۔ پڑھ کر اس کا منہ زرد پڑ گیا۔ اور بہت حیرت ہوئی۔ پھر معاویہ نے فرمایا بیٹے جو درگذر کرتا ہے۔ وہ عزت پاتا ہے اور جس نے بردباری سے کام لیا وہ بزرگ و عزیز ہے جو سختی کے بدلے نرمی اور رحم دلی سے کام لیتا ہے۔ وہ دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، یاد رکھو جب تمھیں کوئی مشکل پیش آئے تو اسی حکمت سے کام لینا۔ ہمیشہ کامیابی ہو گی۔

خلیفہ منصور اور ایک اموی

خلیفہ منصور کے حضور میں مخبری کی گئی کہ یہاں ایک شخص کے پاس بنی امیہ کا سب سامان اور روپیہ امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ یہ فوراً گرفتار کر کے لایا گیا۔ خلیفہ نے اپنے خاص آدمی ربیع ابن حاجب کو بھیج کر اندر طلب فرمایا۔ اور پوچھا۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس بنی امیہ کا بہت کچھ مال بطور امانت رکھا ہوا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ فوراً ہمارے حوالے کر دو۔

یہ شخص بڑا نڈر، ہمت ور اور مضبوط دل کا آدمی تھا۔ خلیفہ کے سامنے بالکل نہ گھبرایا۔ اور پر زور لفظوں میں کہا۔ امیرالمومنین کیا آپ بنی امیہ کے وارث ہیں۔

منصور:۔ نہیں

ملزم:۔ پھر کیا بنی امیہ نے وصیت کی ہے کہ ان کا سارا مال آپ کو دے دیا جائے۔

منصور:۔ نہیں تو

ملزم:۔ پھر میرے پاس جو کچھ امانت ہے۔ اسے لینے کا آپ کو کیا

حق حاصل ہے

منصور کچھ دیر سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ بنی امیہ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کر کے یہ مال و دولت جمع کیا تھا۔ میں مسلمانوں کا وکیل ہوں۔ واپس لے کر بیت المال میں داخل کرانا چاہتا ہوں۔

ملزم :۔ امیر المومنین آپ اس کے سچے گواہ پیش کیجئے۔ کہ میرے پاس جو مال و اسباب امانت ہے۔ یہ بنی امیہ نے ظلم و زیادتی کر کے لوگوں سے چھینا تھا۔ بنی امیہ کے پاس ان کی زیادتی دولت بھی تو بہت کچھ تھی۔

منصور نے پھر چپ ہو کر سر جھکا لیا۔ پھر دم بھر کے بعد ربیع ابن حاجب سے کہا۔

ربیع اس شخص پر ہمارا کچھ مطالبہ نہیں ہے۔

منصور :۔ (پھر مسکراتے ہوئے اسی ملزم کی طرف دیکھ کر کہا) تمہاری کوئی حاجت ہو تو بیان کرو ہم پوری کریں گے۔

ملزم :۔ ہاں ہے تو امیر المومنین۔ میرا یہ خط میرے گھر پہنچوا دیجئے، تاکہ بال بچوں کو میری سلامتی کا حال معلوم کر کے اطمینان ہو جائے اس کے علاوہ ایک اور بھی ضرورت ہے۔

منصور :۔ وہ کیا۔؟

ملزم :۔ جس شخص نے میری نسبت امیر المومنین سے مخبری کی ہے

وہ میرے سامنے لایا جائے۔ خدا کی قسم میرے پاس بنی امیہ کا کچھ بھی روپیہ پیسہ نہیں ہے۔ لیکن میں بے قصور گرفتار کر کے حضور کے سامنے لایا گیا۔ اور حضور نے مجھ سے یہ سوالات کئے۔ میں بھی سمجھ گیا کہ ایسے ہی جوابات سے رہائی ممکن ہے۔

منصور:۔ (ربیع سے) ربیع مخبر کو لاؤ۔ فوراً ایک آدمی لاکر پیش کیا گیا۔

ملزم:۔ (اسے دیکھ کر) حضور یہ میرا غلام ہے۔ میرے تین ہزار روپے لے کر بھاگا تھا۔ اور مدت سے غائب تھا۔

منصور نے غلام کو بہت ڈانٹا ڈپٹا۔ سزا کے سخت کی دھمکی دی تب اس نے سب باتوں کا اقرار کیا کہ بیشک میں اس کا غلام ہوں اور روپیہ بھی لے کر بھاگا تھا۔ یہ مخبری اس لئے کی تھی کہ ان کو پھنسوا دوں۔ اور خود آزاد رہوں۔

منصور:۔ (بے گناہ ملزم سے) میں سفارش کرتا ہوں کہ اب تم اس کی خطا معاف کر دو۔

مالک:۔ میں اے امیر المومنین خطا بھی معاف کرتا ہوں۔ جو کچھ اس کے ذمہ ہے، وہ بھی۔ اور تین ہزار روپے اور دیتا ہوں۔

منصور:۔ قصور اور اس کے ذمے میں جو کچھ چاہیئے اس کا معاف

کرنا تو ٹھیک ہے۔ مگر اور بخشش کی کیا ضرورت تھی۔

مالک:۔ حضور نے سفارش فرمائی تھی۔ اس سفارش کا حق بھی ادا کرنا چاہئے تھا۔

منصور بہت خوش ہوا۔ اور اکثر اس شخص کا ذکر کیا کرتا تھا اور کہتا تھا میں نے ایسا دلیر، منہ پھٹ اور جری آدمی نہیں دیکھا۔

حضرت بلالؓ کا صبر و استقلال

حضرت بلال ملک حبش کے رہنے والے تھے۔ عرب انھیں اور ان کے باپ کو ان کے وطن سے پکڑ لائے تھے، اور یہ ایک کافر امیہ بن خلف کی غلامی میں تھے۔

مسلمان ہو جانا کافروں کے نزدیک بڑا بھاری گناہ تھا حضرت بلال جب مسلمان ہوئے تو ان کے مالک نے ان پر بڑے ظلم کئے۔ گرم پتھر پر لٹا دیتا تھا سینے پر ایک بڑی سل رکھ دیتا تھا۔ اور کہتا تھا بلال اگر تو نے اسلام نہ چھوڑا تو میں تجھے ایسی ہی سخت سزائیں دیتا رہوں گا۔ اب ان سے بچنا تیرے ہی اختیار میں ہے۔

حضرت بلال بڑے سچے مسلمان اور صبر و استقلال کے پکے تھے آپ نے تکلیفیں اٹھائیں مگر حق کو نہ چھوڑا۔ دھوپ کی تیزی اور زمین کی گرمی حضرت بلال کو بھونے دیتی تھی جلتا ہوا پتھر سینے کو جھلسے دیتا تھا، مگر ان کی زبان سے اس وقت بھی اَحد اَحد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) کے سوا اور کچھ نہ نکلتا تھا۔ حضرت بلال اس سخت امتحان میں پاس ہو گئے اللہ نے رحم فرمایا۔ ایک روز ادھر سے حضرت ابوبکر صدیق گذرے، بلال کا

دکھ دیکھ کر دل بھر آیا۔ ظالم امیہ سے کہا اس بے گناہ کو ایسی سخت سزائیں دیتے ہوئے تم خدا سے نہیں ڈرتے نہ اس کا خوف کرتے ہو۔

امیہ:۔ (بگڑ کر) تمھیں لوگوں نے تو اسے برباد کر رکھا ہے۔

ابو بکر صدیق:۔ امیہ میرے پاس ایک حبشی غلام ہے۔ اور تمھارا ہم مذہب ہے۔ وہ غلام تم مجھ سے لے لو اور یہ مجھے دے دو۔

امیہ سمجھ چکا تھا کہ بلال جان دے دے گا مگر اسلام سے نہ پھرے گا اور لوگوں میں مشہور ہو گا کہ امیہ ایک ادنیٰ غلام سے اطاعت نہ کرا سکا سزا بھی یہ پوری پا چکا ہے۔ مبادلہ کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ وہ راضی ہو گیا۔ حضرت ابوبکر نے اپنا حبشی کافر غلام امیہ کو دے کر حضرت بلال کو لے لیا اور آزاد کر دیا اس طرح حضرت بلال نے مصیبتوں سے نجات پائی۔ بلال اگرچہ پہلے غلام تھے مگر اپنے صبر اور استقلال کی بدولت ہمارے سردار ہو گئے اور حضرت رسول اللہ کے بڑے پیارے۔ دنیا میں ان کا صبر ہمیشہ یادگار رہے گا۔

عالمگیر اور ایک بڑھیا

عالمگیر نے حسنؔ ابدال[1] کے سفر میں ایک روز ایک باغ میں قیام کیا دیوار کے نیچے ایک بڑھیا کا مکان تھا۔ بڑھیا کی ایک پن چکی تھی جس میں باغ سے پانی آتا تھا۔ سرکاری آدمیوں نے پانی روک لیا اور پن چکی بند ہو گئی عالمگیر کو خبر ہوئی تو اسی وقت پانی کھلوا دیا رات کو جب خاصے پر بیٹھا تو کھانے کے دو قاب اور کچھ نقد و جنس ابوالخیر کے ہاتھ بڑھیا کو بھجوائے اور کہا کہ میری طرف سے معذرت کر دینا کہ افسوس ہمارے آنے سے تم کو تکلیف ہو گئی تم معاف کر دو صرف یہی نہیں بلکہ صبح ہوئی تو بڑھیا کو پالکی بھیج کر بلوایا اور حرم میں بھیجا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بڑھیا کے دو بن بیاہی بیٹیاں ہیں اور دو بچے ہیں اسی وقت اس کو دو سو روپے عنایت فرمائے۔ مستورات حرم نے روپے اور جواہرات سے بڑھیا کو مالا مال کر دیا۔ اور تین دن کے بعد پھر بلوایا اور لڑکیوں کی شادی کے لئے دو ہزار روپے عنایت فرمائے۔ بیگمات اور شاہزادوں نے روپیہ اور اشرفیاں برسا دیں چند ہی دن میں بڑھیا اچھی خاصی امیر ہو گئی۔

---

[1] ایک جگہ کا نام ہے۔

منصور اور ابن جعفر

خلیفہ منصور کے دربار میں ایک بزرگ محمد بن جعفر آیا کرتے تھے خلیفہ ان کی بہت قدر کرتا تھا۔ اور ان کی باتوں سے بہت خوش ہوتا تھا، یہ لوگوں کو فائدہ پہنچایا کرتے اور سفارشیں کیا کرتے تھے۔ لوگ ان کو بہت مجبور کیا کرتے تھے۔ منصور بھی ان کی سفارش سے بہت تنگ آگیا اور دربار میں ان کا آنا بند کر دیا۔ محمد بن جعفر کو روکے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا۔ پھر ان کی دل بہلانے والی باتیں یاد آئیں اور صبر نہ ہوسکا اپنے ملازم خاص ربیع کو بھیجا کہ جاؤ تم اپنے طور پر ابن جعفر کو سمجھاؤ کہ سفارشیں نہ کیا کریں اور ہم سے معافی مانگیں۔ ہم آئندہ انھیں آنے کی اجازت دیں گے۔

ربیع نے جاکر ابن جعفر کو سمجھایا۔ انھوں نے منظور کیا اور دوسرے دن خلیفہ کی خدمت میں روانہ ہوئے ابھی شاہی محل کے دروازے پر ہی پہنچے تھے کہ چند قریشی عربوں نے روک لیا۔ یہ لوگ ہاتھ میں کاغذ کے پرچے لئے ہوئے تھے اور ابن جعفر سے کہا۔ ہمارے یہ پرچے عرضیاں خلیفہ تک پہنچا دو۔ ابن جعفر نے معاذرت کی اور سارا قصہ بیان کیا۔ لیکن یہ لوگ نہ مانے اور بہت مجبور کیا۔

ابن جعفر نے کہا۔ اچھا اپنے پرچے ہماری آستین میں رکھ دو۔

جس وقت یہ پہنچے ہیں۔ خلیفہ ایک نہایت سرسبز باغ میں سیر کر رہا تھا ان کو دیکھتے ہی کہا۔ ابن جعفر دیکھتے ہو یہ سبزہ زار کس قدر حسین اور خوب صورت ہے۔

ابن جعفر:۔ امیر المومنین خدا حضور کی نعمتوں میں زیادہ برکت دے اس شہر سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط تمام عرب اور عجم میں کبھی کسی نے نہیں بنوایا۔ لیکن حضور اجازت دیں تو عرض کر دوں کہ اس میں ایک کمی ہے۔

منصور:۔ وہ کیا۔ ہاں ہاں ضرور کہئے

ابن جعفر:۔ وہ یہ کہ سارے بغداد میں میری ذاتی جائداد اور زمین بالکل نہیں ہے۔

منصور (بہت ہنس کر) آپ کا دل خوش اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں ہم نے تین قطعے آپ کو عنایت کئے۔

ابن جعفر:۔ (دعائیں دے کر) خدا حضور کے عمر و اقبال میں برکت دے۔ حضور کا سا شریف اور سخی بادشاہ دیکھنے میں نہیں آیا۔

غرض دن بھر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ شام کو ابن جعفر گھر جانے کے لئے اٹھے ہی تھے۔ کہ آستین سے پرچے گرے۔ یہ جھٹ جھک کر اٹھانے

لگے اور یہ کہتے جاتے تھے۔ تم نامراد واپس ہو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

منصور نے ہنس کر پوچھا۔ یہ کیسے پرچے ہیں۔

ابن جعفر:۔ جی حضور کچھ نہیں۔

منصور:۔ نہیں نہیں بتائیے تو۔

ابن جعفر نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ پھر کہا کہ حضور۔ بھلائیوں کا سرچشمہ ہیں۔ یہاں شریفوں کے سوا کون آ سکتا ہے

منصور نے پرچے لے لئے، اور سب کی حاجتیں پوری کر دیں۔

ابن جعفر کی طرح تم بھی ہمیشہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا خیال رکھو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کی بیوی

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو جو کچھ مال و دولت، زیور، زر و جواہر تمھارے پاس ہے مسلمانوں کے بیت المال (قومی خزانے) میں داخل کردو۔ اپنے پاس نہ رکھو۔ یہ سارا مال مسلمانوں کا ہے۔ ہمارا تمھارا نہیں ہے، میں، تم اور یہ مال تینوں ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔

فاطمہ شہزادی تھیں۔ ان کے مرحوم باپ عبدالملک خلیفہ تھے۔ مگر خدا نے دولت کے علاوہ ان کو بہت خوبیاں دی تھیں۔ اور بڑی نیک بی بی تھیں۔ انھوں نے اسی وقت نہایت خوشی سے سارا مال خزانے میں پہنچا دیا۔ اور پیشانی پر شکن تک نہ آئی۔

جب حضرت عمر نے وفات پائی۔ فاطمہ کے بھائی یزید بن عبدالملک بادشاہ ہوئے۔ انھوں نے اپنی بہن کی تسلی کرنا چاہی اور کہا۔ افسوس عمر نے تم پر بڑا ظلم کیا۔ تمھارا ذاتی مال چھین کر خزانے میں بھجوا دیا اچھا اب میں سب خزانے سے نکلوا کر تمھارے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔

فاطمہ نے جواب دیا۔ نہیں خدا کی قسم اب ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا

جن کی زندگی میں میں نے فرماں برداری کی ان کے مرنے پر بھی مرضی کے خلاف نہ کروں گی۔ یہ مال و دولت میرے کس کام کا ہے۔ ان کی مرضی میرے لئے سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے۔

یزید نے اس جواب کی پروا نہ کی اور خزانے سے ان کا سارا مال و اسباب نکلوا کر بھجوایا۔ مگر انھوں نے لینے سے صاف انکار کردیا آخر یزید نے عزیزوں میں بٹوا دیا۔ فاطمہ نے ایک حبہ بھی نہ لیا اور اپنی زندگی خدا کی عبادت میں گذار دی۔

شریف و ایمان دار آدمی کی نظر میں دولت کوئی چیز نہیں ہے۔

خلیفہ مامون اور ایک ضرورت مند

مامون ایک روز اپنے شاہی محل میں بیٹھا ہوا آنے جانے والوں کی سیر کر رہا تھا دیکھا کہ کوئی شخص کھڑا ہوا محل کی دیوار پر کوئلے سے کچھ لکھ رہا ہے مامون نے غلام کو بلا کر حکم دیا۔ اس آدمی کو فوراً ہمارے پاس لاؤ۔ اور دیکھو اس نے دیوار پر کیا لکھا ہے۔

غلام نے اسی وقت جا کر پکڑ لیا اور دیکھا تو دو شعر لکھے تھے جن کا مضمون یہ تھا۔ اے محل تجھ میں نالائق اور کمینے لوگ رہتے ہیں۔ تیرے در و دیوار میں الّو کب گھر بنائے گا۔ جس روز الّو تیرے کسی حصہ میں گھر بنائے گا وہ میری خوشی کا پہلا دن ہوگا۔

غلام پکڑ کر لے جانے لگا تو یہ بہت گھبرایا۔ خدا کے واسطے دئے منت خوشامد کی کہ خلیفہ کے پاس نہ لے چلو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ مگر غلام نے ایک نہ سنی اور اسے لے جا کر مامون کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اور جو کچھ اس نے دیوار پر لکھا تھا وہ بھی بیان کر دیا۔ اس شخص کی عجیب حالت تھی خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ اور موت اس کی آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی تھی۔

مامون نے کہا۔ کیوں جی یہ شعر لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کس طرح تمھیں یہ ہمت ہوئی۔ یہ شخص سمجھ گیا کہ اب جو کچھ ہونا ہے ہو رہے گا۔ جو سچی بات ہے کہہ دینا چاہیئے۔ دل مضبوط کر کے بولا۔ امیرالمومنین اس محل کے اندر جو کچھ مال و دولت زر و جواہر ہے۔ کھانے پینے کی عمدہ عمدہ چیزیں۔ قیمتی فرش فروش اعلیٰ قسم کے برتن مال و دولت، حسین و خوبصورت لونڈی، غلام غرض سب حضور کو معلوم ہے ان چیزوں کی تعریف سے زبان عاجز ہے۔ مگر میں اس وقت یہاں سے گذرا تو بھوکا تھا۔ انتہائی فاقے کی تکلیف میں مبتلا اور یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کروں، کس طرح اس مصیبت سے نجات پاؤں۔ دل میں خیال گذرا۔ یہ عالی شان محل آباد ہے۔ اس کے رہنے والے مزے اٹھاتے ہیں اور میرا اس محل کی دولت میں کچھ حصہ نہیں۔ محل ویران ہوتا اور میں گذرتا تو اتنا ہی فائدہ تھا اس کی عمدہ لکڑی۔ اور ملبہ کو لے جاکر فروخت کرتا اور اس کی قیمت سے اپنا پیٹ بھرتا۔ خدا امیرالمومنین کو خوش اور آباد رکھے۔ کیا حضور نے یہ سنا ہے کہ جو کوئی کسی کی دولت سے محروم رہتا ہے اور فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس کی بربادی اور تباہی چاہتا ہے۔ اس کی یہ آرزو حسد کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس امید پر کہ اس دولت کا کوئی اور مالک ہو۔ اور اس سے فائدہ پہنچے۔

مامون کو یہ سن کر بالکل غصہ نہ آیا۔ اس نے غلام سے کہا اسے

ایک ہزار درم دلوا دو ۔

پھر اسی دل چلے سے کہا۔ جب تک ہمارا یہ محل آباد ہے اس میں رہنے والے شاد اور بامراد ہیں۔ تمہارا یہ وظیفہ بھی جاری رہے گا۔ ضرورت مند آدمی خوشی کے مارے اچھل پڑا اور ہزار درم لے کر دعائیں دیتا ہوا چل دیا۔

ماموں کے احسان اور بردباری سے بد دعائیں دعاؤں سے بدل گئیں ۔

یزید بن مہلب اور سلیمان بن عبدالملک

(حق مہمانی)

یزید بن مہلب ایک بڑا رئیس اور سردار تھا۔ ظالم گورنر حجاج نے خدا جانے اسے کیوں گرفتار کر کے جیل خانے بھجوا دیا۔ اس کی تمام جائداد اور دولت و مال ضبط کر لیا۔ یزید بڑا ہوشیار اور عقل مند امیر تھا۔ اس نے اپنی لیاقت سے جیل خانے کے افسر کو ملا لیا۔ یہ دونوں بھاگ کر شام میں پہنچے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے بھائی سلیمان سے جا کر ملے۔ اس سے اپنی تمام دکھ بھری داستان سنائی اور امداد و پناہ چاہی۔ سلیمان نے بہت تسلی و تشفی دی، اخلاق و عزت کے ساتھ اپنے پاس ٹھہرایا۔

حجاج نے خلیفہ کو لکھا۔ یزید سرکاری مجرم ہے۔ جیل خانے سے بھاگ گیا ہے اور سلیمان سے پناہ لے لی ہے۔ اور سلیمان امیر المومنین کے بھائی اور ولی عہد ہیں۔ اب حضور کو اختیار ہے جو مناسب ہو کریں۔ ولید نے سلیمان کو لکھا۔ یزید کو فوراً گرفتار کر کے بھیج دو۔ سلیمان نے جواب دیا میں

یزید کو پناہ اور امان دے چکا ہوں۔ وہ اس کے ماں، باپ، بھائی، بیٹے سب ہمارے باپ کے زمانے سے خیر خواہ رہے ہیں اس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہئے۔ میں نے امیر المومنین کے دشمن کو پناہ نہیں دی بلکہ دوست کو دی ہے۔ حجاج نے یزید کو سخت سزائیں دیں اس کا سارا مال و دولت چھین لیا۔ جائداد ضبط کر لی، اور وہ بھی محض بے قصور۔ پھر جس قدر چھینا اور ضبط کیا۔ اسی قدر جرمانے میں مانگتا ہے۔ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے۔ میرے مہمان کو اگر آپ ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں تو یزید حاضر ہے۔ پکڑ کر بھجوا دیا جائے ورنہ درگذر فرمائیے۔ ولید نے لکھا۔ نہیں یزید کو ضرور واپس بھجوا دو اور بیڑیاں پہنا کر بھیجو۔

یہ خط دیکھ کر سلیمان نے یزید اور اپنے بیٹے ایوب کو بلایا۔ اور دونوں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں۔ پھر ساتھ بندھوایا اور دو خچروں پر لدوا کر خلیفہ کے پاس بھجوا دیا۔ اور یہ خط لکھا۔

اما بعد اے امیر المومنین میں یزید اور آپ کے بھتیجے ایوب کو روانہ کرتا ہوں اور جی تو یہ چاہتا تھا کہ اسی صورت سے خود بھی حاضر ہوتا۔ اگر امیر المومنین یزید کو قتل کرنا چاہیں تو آپ کو خدا کی قسم ہے۔ پہلے ایوب کو قتل کیجئے گا پھر یزید کو اور جی چاہے تو ان کے بعد مجھے بھی۔ یہ خط اور دونوں قیدی پا بہ زنجیر خلیفہ کے حضور میں ایک ساتھ بندھے ہوئے پہنچے۔ ولید نے اپنے

بھتیجے شاہزادہ ایوب کو اس حالت میں دیکھ کر شرم سے سر جھکا لیا۔ اور کہنے لگا میں نے سلیمان کے ساتھ برا سلوک کیا۔ کہ یہاں تک نوبت پہنچی۔ پھر یزید نے خلیفہ سے گفتگو شروع کی اور اپنے بے خطا ہونے کا ثبوت دینے لگا۔ ولید نے کہا اب تمھیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہمیں تمھاری بے گناہی اور حجاج کا ظلم معلوم ہو گیا اسی وقت لوہار کو بلوا کر دونوں کی زنجیریں کٹوائیں اور بہت اخلاق سے پیش آیا۔ اپنے بھتیجے ایوب کو تیس ہزار اور یزید کو بیس ہزار درہم عطا کر کے عزت کے ساتھ دونوں کو سلیمان کے پاس بھجوا دیا اور حجاج کو اس مضمون کا خط لکھ بھیجا۔ تم یزید کو اب کبھی گرفتار نہ کرنا۔ نہ آئندہ سے برا سلوک کیا جائے۔ اور نہ ان کی نسبت کچھ کہا جائے۔ یزید اس شان سے سلیمان کی خدمت میں پہنچا۔ اور عرصے تک عزت و احترام سے رہا سلیمان نے مہمانی کا پورا حق ادا کیا اور ذلت سے بچا لیا۔ اس سے بڑھ کر حق مہمانی کی ایک اور کہانی تمھیں سناتے ہیں۔

باپ کے قاتل کو معافی

(حق مہانی)

جس وقت بنی امیہ کے خاندان سے اسلامی بادشاہی جاتی رہی اور بنی عباس بادشاہ ہونے لگے ہیں۔ یہ وقت اس گھرانے کے لئے بڑی مصیبت کا وقت تھا بہت سے بے گناہ اپنی جان بچاتے خوف کے مارے اِدھر اُدھر چھپتے پھرتے تھے انھیں میں ایک شہزادہ ابراہیم، سلیمان بن عبدالملک کا بیٹا بھی تھا۔ یہ نوجوان شہزادہ نوجوان عالم، فاضل، ادیب اور قابل آدمی تھا چند معزز اور شریف لوگوں کی سفارش پر خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اس کو امان دے دی۔ اور یہ عزت بخشی کہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ایک روز خلیفہ نے پوچھا! ابراہیم! جس زمانے میں تم اپنے دشمنوں سے جان بچاتے ادھر چھپتے پھرتے تھے کیا تم پر کوئی ایسا واقعہ بھی گذرا ہے جو یاد رکھنے کے قابل اور حیرت میں ڈالنے والا ہو۔

ابراہیم:۔ حضور ایک عجیب قصہ گذرا ہے جو نہ میں نے پھر دیکھا اور نہ سنا اور جس کا اثر دل پر اب تک ہے۔

امیرالمومنین! بمقام حیرہ میں ایک جنگل کے کنارے پر ایک مکان سا بنا ہوا ہے۔ میں اس میں روپوش تھا۔ ایک روز اوپر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ کہ چند سیاہ جھنڈے نظر آئے جو کوفے سے چل کر حیرہ میں آرہے تھے میں سمجھا یہ لوگ میری تلاش میں ہیں۔ چھت سے اتر کر جھٹ مکان کے پچھواڑے نکل کر کوفے چل دیا۔ وہاں کوئی میرا ایسا جاننے والا نہ تھا جس کے پاس چھپ جاتا بہت پریشان اور رنجیدہ تھا۔ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھتا جا رہا تھا کہ ایک بڑے دروازے پر نظر پڑی معلوم ہوا کہ اندر بہت وسیع صحن ہے۔ میں اندر داخل ہوا تو دیکھا ایک دوھرے جسم کا خوب صورت آدمی صحن میں آرہا ہے۔ ساتھ میں چند خادم بھی ہیں۔ گھوڑے سے اتر کر میری طرف دیکھا اور پوچھا!

تم کون ہو۔ اور کیوں آئے؟

میں نے کہا ایک پریشان اور خوف زدہ آدمی ہوں جان کا اندیشہ ہے آپ کے مکان میں پناہ لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر وہ جوان مجھے مکان کے اندر لے گیا۔ اور ایک خاص کمرے میں رکھا جو بالکل زنانہ مکان سے ملا ہوا تھا میں کئی روز تک یہیں نہایت آرام سے رہا۔ کھانے پینے، پہننے کی عمدہ

عمدہ چیزیں میری خواہش کے موافق حاضر رہتی تھیں۔ اس نے مجھ سے کبھی یہ نہ پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں تک کیوں کر پہنچے۔ میں دیکھتا تھا کہ روزانہ صبح سویرے گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلا جاتا ہے۔ اور پھر ظہر کے قریب واپس آتا ہے۔

ایک روز خود میں نے پوچھا۔ آپ روزانہ کہاں اور کس غرض سے جاتے ہیں۔

نوجوان بولا۔ بھائی میرے باپ کو ابراہیم بن سلیمان نے بلا وجہ قتل کر ڈالا۔ معلوم ہوا ہے کہ حیرہ میں روپوش ہے اسی کی تلاش میں جاتا ہوں۔ تاکہ اپنے مرحوم باپ کا بدلہ لے سکوں۔ ابراہیم کہتے ہیں امیرالمومنین اس نوجوان سے یہ سن کر میں حیران رہ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ میری قضا مجھے یہاں تک لائی ہے اور جو میرے خون کا پیاسا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پہنچا دیا ہے۔ خدا کی قسم امیرالمومنین میں اس وقت اپنی زندگی سے بیزار اور موت کا منتظر تھا۔

میں نے نوجوان اور اس کے باپ کا نام دریافت کیا۔ واقعی وہ سچ کہتا تھا۔ بیشک میں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ پھر میں نے اس سے کہا بھائی سنو، مجھ پر تمہارا حق ہے اور ضرور ہے۔ تم نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا ہے۔ اور اس کا یہی تقاضا ہے کہ تمہارے دشمن کا پتہ لگاؤں

بلکہ سامنے لا کر کھڑا کر دوں۔

وہی نوجوان۔ صرف حلیہ بتا دو۔ اور یہ کہ کہاں ہے اور کون ہے۔

ابراہیم۔ تمہارے باپ کا قاتل میں ہوں۔ مجھ سے بدلہ لے لو اور میرا خاتمہ کر دو۔

نوجوان۔ (مسکرا کر اور یقین نہ کر کے) رات دن کی روپوشی اور اہل وعیال سے دوری نے بہت غمگین اور جان سے بیزار کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے تم زندگی کو موت سے زیادہ عزیز سمجھ رہے ہو۔

ابراہیم:۔ نہیں خدا کی قسم میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تمہارے والد کو فلاں دن فلاں سبب سے میں نے ہی قتل کیا تھا۔

نوجوان سمجھ گیا کہ ابراہیم سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔ دونوں آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ دیر تک خاموش کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ اگر تم ہی میرے باپ کے قاتل ہو تو خیر ایک دن خدا کے سامنے میرے والد مرحوم تمہاری گردن پکڑیں گے اور اس عادل حاکم کے سامنے خون کا بدلہ لیں گے۔ میں بد عہدی اور بے وفائی نہیں کر سکتا۔ میں نے امان دی ہے اسے توڑ کر ذلیل نہیں کر سکتا۔ مگر اب بھلائی اس میں ہے کہ تم میرے گھر سے چلے جاؤ۔ لو یہ

ہزار اشرفیاں اور زاد راہ حقِ مہمانی کی دیتا ہوں اب میں تمہاری صورت نہ دیکھوں۔

ابراہیم کو بڑی غیرت آئی اور اس کی شرافت کا دل پر بہت اثر ہوا۔ روپیہ لینے سے تو انکار کر دیا۔ لیکن جان بچا کر وہاں سے چل دیے۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ امیرالمومنین اس سے بڑھ کر اپنے عہد کا پابند اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور نہ اس واقعے سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا کوئی اور واقعہ میں نے دیکھا نہ سنا۔ اللہ اللہ۔

مامون اور ایک ضعیفہ

خلیفہ مامون ایک روز بیٹھا ہوا مقدمات کا فیصلہ کر رہا تھا۔ وقت آخر ہو چکا تھا۔ اور یہ اٹھنے ہی کو تھا کہ ایک بوڑھی عورت آگے بڑھی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ مسافر ہے۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے اور بہت پریشان حال۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔

امیر المومنین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مامون نے یحیٰی بن اکثم کی جانب دیکھا جس کا یہ مطلب تھا کہ پوچھو کون ہے کہاں سے آئی ہے۔ کیا کہنا چاہتی ہے یحیٰی نے اس سے کہا اے اللہ کی بندی وعلیکم السلام، کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔؟

ضعیفہ نے کڑک کر دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا:۔

اے بہترین انصاف کرنے والے، اے منصف امام جس کے عدل کی روشنی سے تمام ملک روشن ہو رہا ہے۔ اے ساری قوم کے بھروسہ والے اے خدا کی طرف سے ہدایت پانے والے ایک غریب بیوہ حضور کے سامنے فریاد لے کر آئی ہے اس بڑھیا پر ظلم ہوا ہے۔ میرا سارا مال و اسباب چھین لیا ہے بہت منع کیا مگر ظالم نہ مانے۔ میرے گھر والے اور میرا بچہ بھی مجھ سے چھڑا کر قید میں ڈال دیا گیا ہے یہ شعر بڑھیا نے کچھ اس انداز سے پڑھے کہ مامون کے دل پر بہت اثر

اس نے گردن جھکالی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ اے ضعیفہ تو نے جو کچھ کہا میں سن کر بیتاب ہوگیا ہوں میرا دل اور جگر تیرے بیان سے زخمی ہوگیا ہے لیکن عصر کی نماز ہو چکی ہے اور عدالت کا وقت گذر چکا ہے اب تو گھر جاؤ۔ ہم اگر ہفتے کے دن بیٹھ سکے تو خیر ورنہ اتوار کے دن ضرور تمہارے مقدمے کا مناسب فیصلہ کیا جائے گا۔ اتوار کو پیش کرنا۔

بوڑھی عورت خلیفہ کا یہ مہربانی اور تسلی سی بھرا ہوا جواب سن کر خوش خوش چلی گئی۔

اتوار کے دن اپنے وعدے کے موافق بادشاہ پھر بیٹھا۔ سب سے اول یہ بڑھیا حاضر ہوئی اور آتے ہی کہا۔

بڑھیا:۔ امیر المومنین۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔

مامون:۔ وعلیکم السلام۔ تمہارا دوسرا فریق کہاں ہے۔ اور تم پر کس نے ظلم کیا ہے۔

بڑھیا:۔ یہ حضور کے سر کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اے امیر المومنین یہ کہہ کر مامون کے بیٹے عباس کی طرف اشارہ کیا۔

مامون:۔ (دربار کے ایک شخص احمد بن خالد سے) احمد بن خالد ان کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ اور بڑھیا کے پاس کھڑا کرو۔ جہاں اور مقدمے والے کھڑے ہوتے ہیں۔

اسی وقت حکم کی تعمیل ہوئی۔ شہزادہ عباس باپ کے پاس سے دور

کر کے ایک بڑھیا کے برابر کھڑا کر دیا گیا۔ اور بیان ہونے لگے۔ بڑھیا کی آواز بار بار بادشاہ زادے کی آواز سے زیادہ بلند ہوتی تھی۔ آخر احمد بن خالد نے کہا اے اللہ کی بندی تم امیرالمومنین کے سامنے کھڑی ہو۔ امیرالمومنین سے باتیں کر رہی ہو۔ ذرا آہستہ بولو۔ اتنی زور سے نہ بولنا چاہیئے۔

مامون:۔ نہیں۔ نہیں، احمد! اسے بولنے دو۔ یہ حق پر ہے۔ حق اور سچائی نے اس کی آواز بلند اور عباس کی آواز پست کر دی ہے۔ بیشک یہ سچ کہتی ہے شہزادہ خاموش ہو گیا۔ اور حضرت خلیفہ نے بڑھیا کے موافق فیصلہ صادر فرمادیا۔ بڑھیا پر جو ظلم ہوئے تھے شہزادے کو اس کی سزا دی جس قدر نقصان ہوا تھا اس کا تاوان دلوایا اور جہاں بڑھیا کا گھربار یا زمین و جائداد تھی وہاں کے تحصیل دار کو لکھ بھیجا فوراً اس کی زمین واپس دی جائے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ پھر خلیفہ نے خود بھی اپنی مہربانی اور شفقت سے بڑھیا کا کچھ وظیفہ مقرر فرما دیا یوں اس کے زخموں پر مرہم رکھا۔ فریاد سن کر مصیبت سے نجات دی اور احسان کر کے اپنا نام روشن کیا۔

ٹیپو سلطان کی قدر دانی

ٹیپو سلطان میسور میں بڑا بہادر اور سپاہیوں کی بڑی قدر کرنے والا بادشاہ تھا ایک بار یہ کوڑبال کی طرف اپنی فوج لئے ہوئے جا رہا تھا۔ رستے میں خبر ملی کہ انگریزی فوج قلعہ نگر کی مدد کے لئے بہت سا سامان لئے ہوئے آ رہی ہے۔ بادشاہ نے اپنے سواروں اور پیدل سپاہیوں کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ بہادر فوج اپنے آقا کا حکم پاتے ہی دشمن کی سپاہ پر ٹوٹ پڑی۔ توپ خانے نے گولے برسانے شروع کر دئے۔ خود بادشاہ نے بھی اپنے خاص سواروں کو لے کر دھاوا کر دیا۔ انگریزی فوج کے سپہ سالار (جنرل) نے جان توڑ مقابلہ کیا۔ بہت کوشش سے فوج کو لڑایا مگر سلطان کی فوج نے میدان جیت لیا۔ دشمن کی فوج کا تمام سامان اور مال و زر سلطان کے قبضے میں آگیا۔ اس فتح کی بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی۔ اس نے ہر سپاہی کو انعام میں سونے کے کڑے پہنائے اور سرداروں کو الماس۔ اور جواہرات کے ہار عطا فرمائے اور اپنی قدر دانی کا ثبوت دیا۔

مامون اور ایک غریب عالم

عباسی بادشاہوں میں مامون سب سے بڑھ کر عالم فاضل اور علم و علما کا قدر دان تھا۔ ہفتے میں دو دن علمی بحثوں کے لئے مقرر تھے۔ شاہی محل میں مجلسیں ہوتی تھیں جن میں خود بھی شریک ہوتا تھا۔ ایک روز حسب دستور مجلس ہوئی بڑے بڑے عالم اور خود مامون اپنی مسند پر موجود تھا کہ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھا۔ صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ مسافر اور غریب و جاہل آدمی ہے یہ سب کے پیچھے ادنیٰ درجے کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

یہاں کا دستور تھا کہ ایک مسئلہ چھیڑ دیا جاتا تھا۔ ہر عالم باری باری سے اپنی رائے ظاہر کرتا تھا۔ چنانچہ آج بھی ایک مسئلے پر بحث ہوتی رہی۔ اس غریب کی آخر میں باری آئی تو اس نے ایسا جواب دیا کہ ساری مجلس دنگ رہ گئی۔ خاص کر خلیفہ مامون نے تو بہت ہی پسند کیا اور عزت کے ساتھ عمدہ جگہ پر بٹھایا۔ پھر دوسرا مسئلہ شروع ہوا اور رفتہ رفتہ اس مسافر تک پہنچا اس دفعہ پہلے جواب سے بھی بہتر اور عمدہ جواب دیا۔ مامون اور زیادہ خوش ہوا اور پہلے سے بھی بہتر جگہ دلوائی۔ اب تیسرا مسئلہ بحث میں آیا سب نے اپنی اپنی رائیں ظاہر کیں جب اس غریب عالم کی نوبت آئی تو اب کے اگلے دونوں جوابوں سے بہتر

جواب دیا اب تو ماموں نے اپنے پاس ہی بٹھا لیا اور بہت عزت کی۔

مناظرہ ختم ہونے کے بعد پانی آیا۔ علما نے ہاتھ دھوئے۔ پھر دسترخوان بچھایا گیا اور کھانا چنا گیا کھانے کے بعد سب علما اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ ماموں نے انھیں روک لیا اور بے حد اخلاق و کرم کا برتاؤ کیا۔ بہت کچھ انعام و اکرام کا وعدہ فرمایا۔

اب مجلس شراب آراستہ ہوئی۔ خوش مذاق و زندہ دل مصاحب حاضر تھے، جام کا دور چلا۔ اس مسافر کے پاس پہنچا تو اس نے اٹھ کر کہا امیرالمومنین اجازت ہو تو میں صرف ایک بات عرض کروں۔

ماموں۔ ہاں، ہاں کہئے۔

غریب عالم، حضور پر روشن ہے کہ علما کی شاندار محفل میں یہ غلام ادنیٰ درجے پر تھا۔ مگر امیرالمومنین نے مرتبہ بڑھایا اس بنا پر کہ غلام کے منہ سے عقل کی بات نکلی۔ حضور نے یہ مرتبہ بخشا کہ خواب میں دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا اب امیرالمومنین اس عقل کو کھویا چاہتے ہیں۔ جس نے ذلت سے نکال کر غلام کو یہ عزت دلائی اور تکلیف کے بعد راحت دکھائی۔ غلام شراب پیئے گا تو یہ عقل و ہوش ضرور جاتے رہیں گے جہالت آجائے گی اور پھر اسی پہلے ذلیل و حقیر مرتبہ پر پہنچ جائے گا۔ پس میں شراب سے معافی چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ عزت فضل و علم و شرافت کی مجھ سے نہ چھینی جائے۔

ماموں یہ تقریر سن کر بہت زیادہ خوش ہوا۔ اس کا شکریہ ادا کیا

اور اپنی مسند شاہی پر بٹھایا بہت عزت بڑھائی۔ ایک لاکھ درہم انعام اور بھاری خلعت دیا۔ اور ایک عمدہ گھوڑے پر سوار کرکے گھر بھجوا دیا اس روز سے ماموں کی ہر مجلس میں یہ غریب عالم شریک ہوتا تھا۔ ماموں نے اس کی عزت بڑھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ تمام علماء سے زیادہ اس کی قدر ہوتی تھی۔

علم عجیب دولت ہے۔ یہ ضرور آدمی کو بڑے مرتبے پر پہونچاتا ہے غریب آدمی بھی علم سے دنیا میں عزت پیدا کر سکتا ہے۔

خلیفہ منصور اور سردار معن بن زائدہ

ایک خارجی خلیفہ منصور کے زمانے میں اکثر فتنے اٹھاتا رہتا تھا۔ مگر کسی طرح قبضے میں نہ آتا تھا۔ منصور نے حکم دے دیا کہ جہاں ملے قتل کیا جائے اور جو گرفتار کرکے لائے گا اُسے ایک لاکھ درہم انعام دیا جائے گا ایک روز وہ چھپا چھپاتا بغداد میں کسی طرف جا رہا تھا کہ اس کے ایک ہم وطن کوفی نے پہچان لیا اور لپک کر پکڑ لیا۔ اور پکارا دوڑو، دوڑو یہ امیرالمومنین کا باغی مجرم ہے۔ اتفاقاً ادھر سے معن بن زائدہ بھی گذرا۔ یہ عباسی حکومت کا بڑا، معزز اور جان نثار سردار تھا۔ حکومت اس کو بہت مانتی اور عزت کرتی تھی۔ مجرم معن کو دیکھ کر پکارا۔ خدا کے لئے مجھے پناہ دیجئے اور بچائیے۔ خدا آپ کو اپنی پناہ میں رکھے گا۔

معن نے گھوڑا روک لیا اور پوچھا کیا قصہ ہے۔

کوفی:۔ یہ امیرالمومنین کا باغی مجرم ہے۔ امیرالمومنین کا حکم ہے کہ جہاں ملے قتل کیا جائے اور گرفتار کرنے والے کو ایک لاکھ انعام ہے۔

معن :۔ ہم کہتے ہیں کہ چھوڑ دو (پھر اپنے ایک غلام سے) تم اپنی سواری پر سے اتر کر اسے سوار کر لو۔

کوفی :۔ چلا کر دوڑو! یہ شخص امیر المومنین کے باغی کو چھڑا کر لے جانا چاہتا ہے اور میرے ایک لاکھ کا نقصان کر رہا ہے۔

معن کو دیکھ کر کس کی مجال تھی کہ آگے بڑھتا۔ معن نے کہا! جاؤ امیر المومنین سے کہہ دو کہ باغی ہمارے پاس ہے۔ یہ کہہ کر معن تو خارجی باغی کو اپنے ساتھ لے کر چل دیا اور انعام کا لالچی کوفی شاہی محل پر پہنچا۔ اندر اطلاع ہوئی اور خلیفہ کے حضور میں سارا قصہ بیان کر دیا گیا۔

اسی وقت معن بھی یاد فرمایا گیا۔ اس نے اپنے تمام گھر والوں، غلاموں اور بچوں کو، عزیزوں، دوستوں، مصاحبوں کو غرض اپنے تمام متعلقین کو بلا کر کہا دیکھو۔ اس شخص کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ میں نے اسے پناہ دی ہے۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھنا۔ میں خدا کی قسم دے کر وصیت کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ دربار خلافت میں پہنچا۔ حضور خلیفہ کو نہایت ادب سے سلام کیا مگر منصور نے غصے کے مارے جواب نہ دیا اور یہ کہا کیوں معن تم ہمارے مخالف کو پناہ دیتے ہو۔

معن ۔ جی ہاں

منصور :۔ اور کہتے ہو جی ہاں۔ منصور کے غصہ کی آگ اور

بھڑک اٹھی۔

معن :۔ یا امیر المومنین ! بار ہا میری خیر خواہی کی آزمائش ہو چکی ہے میں نے کیسے کیسے مصائب اٹھائے ہیں۔ کئی مرتبہ اپنی جان پر کھیل گیا ہوں کتنی دفعہ اپنا خون بہایا ہے۔ حکومت اور خلیفہ کی کتنی بار خدمت کی۔ کیا میری خدمات اس قابل بھی نہیں کہ میں ایک مجرم کو پناہ دے سکوں اور وہ میری خاطر رہا کر دیا جائے۔ لوگوں کے سامنے اس نے مجھ سے پناہ مانگی ہے اور محض اس خیال سے کہ میں بھی امیر المومنین کا خاص غلام ہوں۔ اسے جان بخشی کی امید ہوئی۔ بہر حال میں تو پناہ دے چکا۔ اب میں حاضر ہوں حضور جو چاہیں کریں۔

منصور پر اس تقریر سے سناٹا چھا گیا۔ دیر تک گردن جھکاتے غور کرتا رہا اتنی دیر میں غصہ ٹھنڈا ہو گیا تھا پھر سر اٹھا کر کہا۔ معن جسے تم نے پناہ دی ہم بھی تمہاری خاطر اسے چھوڑتے ہیں۔

معن :۔ حضور کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ اگر امیر المومنین کی رائے ہو کہ میری پناہ کا اثر دونا ہو جائے تو اسے حضور کچھ انعام بھی عطا فرمائیں یہ ایسا ہو کہ جان بھی دی اور مال بھی دیا۔

منصور :۔ اچھا پچاس ہزار درہم عطا کیے۔

معن :۔ حضور جیسی رعایا کی خطا ہو ویسی ہی خلیفہ کی عطا ہونی چاہیے

وہ بڑا خطا وار ہے۔

منصور:۔ اچھا ایک لاکھ درہم عطا کئے۔

معن:۔ مگر حضور اسی وقت ملنا چاہئے بھلائی کے کاموں میں دیر اچھی نہیں ہے۔

منصور نے اسی وقت حکم دیا کہ ایک لاکھ درہم ابھی معن کے گھر بھجوا دئے جائیں۔

معن روپیہ لدوا کر گھر لائے اور اپنے مہمان سے کہا! لو یہ انعام جان بھی بچی، مال بھی ملا اپنے گھر کا راستہ لو۔ اب کبھی بادشاہوں کے خلاف کوشش نہ کرنا۔

خارجی یا تو جان کی خیر منا رہا تھا۔ انعام کی خبر سن کر خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ اور ایک بڑھیا

حضرت عباسؓ ایک روز رات کو حضرت عمرؓ سے ملنے چلے۔ راستے میں ایک بدو نظر آیا۔ اس نے بڑھ کر عباسؓ کا دامن پکڑ لیا۔ اور کہا عباسؓ کہاں جلتے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ اندھیری رات تھی آپ نے غور سے دیکھا تو امیر المومنین عمرؓ ایک بدو کے بھیس میں تھے عباس نے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیا اور پوچھا۔ امیر المومنین اس تاریک رات میں کہاں کا ارادہ ہے۔

امیر المومنین: شہر کے محلوں میں گشت لگانے اور لوگوں کے حالات معلوم کرنے جا رہا ہوں۔

عباس بھی ساتھ ہو لئے۔ آگے آگے حضرت عمرؓ تھے۔ اور پیچھے پیچھے عباس۔ ایک سرے سے تمام عرب گھروں، جھونپڑیوں اور خیموں کا چکر لگا لیا۔ واپس ہونے کو تھے کہ ایک جھونپڑے پر نظر پڑی دیکھا کہ ایک بڑھیا چولھے کے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور چند بچیاں اس کے پاس بیٹھی بلک رہی ہیں ہانڈی چولھے پر ہے اور چولھے میں آگ جل رہی ہے۔ بڑھیا بچیوں سے کہہ رہی ہے۔ ٹھیرو صبر کرو۔ روؤ نہیں۔ کھانا تیار ہوا جاتا ہے لیکن بچیاں خاموش نہیں ہوتیں۔ یہ رونا بلکنا دیکھ کر دل ہل گیا۔ دونوں ٹھہر گئے کہ دیکھیں کیا ماجرا

ہے۔ حضرت عمرؓ کبھی غور سے بڑھیا کو دیکھتے تھے اور کبھی لڑکیوں کو۔ بڑی دیر ہوگئی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ بات کیا ہے۔

عباسؓ نے کہا:۔ امیر المومنین چلئے بہت دیر ہوگئی۔

حضرت عمرؓ:۔ خدا کی قسم جب تک یہ بچیاں کھانا نہ کھالیں میں نہ جاؤں گا۔

غرض بہت عرصہ ہوگیا۔ حیرت تھی کہ نہ چولھے سے ہانڈی اترتی ہے نہ سامنے کھانا آتا ہے معصوم لڑکیاں برابر رو رہی ہیں اور بڑھیا یہی کہے جاتی ہے۔ گھبراؤ نہیں ابھی پکا جاتا ہے روؤ نہیں چپ ہو جاؤ ابھی کھانا دیتے ہیں۔

آخر حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا۔ فرمایا چلو عباس پاس چلکر معلوم کریں کہ بات کیا ہے دونوں خیمے میں گئے حضرت عمرؓ نے بڑھیا کو سلام کیا۔ بڑھیا نے نہایت تہذیب سے جواب دیا۔

پھر عمرؓ نے کہا۔ خالہ کیا بات ہے۔ کہ بچیاں دیر سے رو رہی ہیں۔

بڑھیا:۔ بھیا بھوک کے مارے رو رہی ہیں۔

حضرت عمرؓ:۔ آخر کھانا کیوں نہیں دیتیں۔

بڑھیا:۔ ہانڈی میں کچھ ہے ہی نہیں۔ یوں ہی بہلا رہی ہوں۔ اور چاہتی ہوں کسی طرح نیند آجائے اور یہ لڑکیاں سو رہیں۔

حضرت عمرؓ نے ہانڈی کھول کر دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ پانی میں کنکریاں کھول رہی تھیں آپ نے حیرت سے پوچھا۔ آخر اس سے کیا فائدہ ہے۔

بڑھیا:۔ بچیاں یہ سمجھیں کہ کچھ پک رہا ہے۔ ذرا ان کو تسلی رہے گی

حضرت عمرؓ۔ ایسا کیوں کرتی ہو۔

بڑھیا۔ میرا کوئی عزیز وارث نہیں۔ نہ بھائی ہے نہ باپ۔ نہ ان بچیوں کا باپ نہ کوئی اور رشتے دار۔ غریبی اور محتاجی سے یہ حالت ہو رہی ہے۔

حضرت عمرؓ۔ پھر امیر المومنین سے جا کر کیوں نہیں کہتیں وہ تمہارا کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے۔

بڑھیا۔ خدا عمرؓ کو موت دے اس کے بادشاہی جھنڈے کو غارت و سرنگوں کرے۔ اس نے مجھ پر بڑا ظلم کیا ہے۔

حضرت عمرؓ (کانپ کر) عمرؓ نے اور تم پر ظلم۔

بڑھیا۔ ہاں، ہاں خدا کی قسم بڑا ظلم کیا ہے۔ حاکم کا کام ہے کہ رعایا کی خبرگیری کرے اور مجھ ایسی، غریب، محتاج، بچوں والی بیوہ کی مدد کرے اور قومی خزانے سے کچھ مقرر کر دے۔

حضرت عمرؓ۔ خالہ بہتر تو یہ تھا کہ تم خود جا کر عمرؓ کو اپنی حاجت بتاتیں۔ وہ ضرور خیال کرتے۔

بڑھیا۔ نہیں خدا کی قسم یہ مجھے ہرگز نہیں چاہئے تھا۔ ایک شریف اور اپنا فرض پہچاننے والا سردار خود اپنی رعایا کی حاجتیں معلوم کرتا ہے اور کرنا چاہئے۔ ممکن ہے کوئی شریف حاجت مند عورت خود شرم کے مارے جانا پسند کرے اور نہ جا سکے۔ اور یہ بھی کوئی طریقہ ہے رعایا جا جا کر اپنی حالت بتائے اپنا دکھڑا روئے۔ خدا نے حاکم کس لئے بنایا ہے اسے خود رعایا کی خبر لینی چاہئے۔ اور بادشاہ بے پرواہی سے کام لے اور ایسا نہ کرے تو یہ اس کا ظلم ہے۔

حضرت عمرؓ۔ خالہ سچ کہتی ہو۔ اچھا گھڑی بھر بچیوں کو اور بہلاؤ میں ابھی آتا ہوں۔

یہ کہہ کر خیمے سے باہر آئے آدھی سے زیادہ رات گذر چکی تھی کتّے بھونکنے اور کاٹنے کو دوڑتے تھے۔ بہ مشکل ان سے بچ بچا کر حضرت عمرؓ و عباس سیدھے غلّے کے گودام میں پہنچے۔ آپ نے قفل کھولا اور اندر گئے۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو آٹے کی ایک بوری نظر آئی جس میں سوا من آٹا تھا۔ فرمایا عباس اسے میرے کاندھے پر لاد دو اور یہ گھی کی ہانڈی اٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دو حضرت عباس نے ایسا ہی کیا۔ قفل بند کر کے دونوں بڑھیا کے یہاں چلے آدھے راستے سے عباسؓ نے کہا اے امیر المومنین اب مجھ پر لاد دیجئے۔

حضرت عمرؓ۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کیا میرے گناہوں کا بوجھ تم اٹھا سکو گے پھر فرمایا ظلم زیادہ ہو یا کم مگر اس کا بوجھ لوہے کے پہاڑوں کے بوجھ سے زیادہ ہے۔ کیا یہ کوئی بھول سکتا ہے کہ ایک محتاج بڑھیا کنکریاں پکاتی ہے اور ہمیں خبر نہیں کہ کس مصیبت میں مبتلا ہے۔ یہ خدا کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔ تم میرے ساتھ جلدی چلے آؤ تاکہ ہم جلد پہنچ جائیں۔ اور بچیاں رو رو کر سونے نہ پائیں حضرت عمرؓ ایسے دوڑتے جا رہے تھے کہ بیل کی طرح ہانپنے لگے۔ خدا خدا کر کے بڑھیا کے خیمے میں پہنچے۔ آٹے کا تھیلا اور گھی اتارا۔ اور خود ہانڈی سے کنکریاں نکال کر پھینکیں۔ پانی، آٹا، گھی ڈال کر چولھے پر رکھا لکڑیاں گیلی تھیں آگ مشکل سے سلگی۔ آپ منہ سے آگ پھونکتے جاتے تھے اور یہ حال تھا کہ دھواں آنکھوں میں گھس رہا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بالوں سے چھن چھن کر نکل رہا تھا جب تک

آگ تو جلتی پر ایر منہ سے پھونکتے اور ہانڈی ہاتھ سے چلاتے رہے کھانا تیار ہو گیا
اتار کر نکالا، ٹھنڈا کیا اور خود اپنے مبارک ہاتھوں سے بچیوں کو کھلایا۔ پلایا۔
بچیوں کا جب پیٹ بھرا تو ہنسنے اور کودنے اچھلنے لگیں۔ اب حضرت عمر نے
ضعیفہ سے فرمایا۔ خالہ کل تم امیر المومنین کے پاس جانا وہ تمہیں گھر پہ ملیں
گے اور ضرور تمہارا خیال کریں گے۔

اب آپ کے دل کو چین آیا اور رخصت ہوئے۔ راستے میں حضرت
عباس سے فرمایا۔ عباس جس وقت میں نے بڑھیا کو کنکریاں پکاتے اور
جھوٹ موٹ بچیوں کو بہلاتے دیکھا ہے تو یہ معلوم ہوا کہ میرے سر پہ پہاڑ
ٹوٹ کر آپڑا ہے۔ اور جب میں بچیوں کو کھانا کھلا چکا اور خوش دیکھ لیا تب
یہ بوجھ میرے سر سے اترا۔

صبح بڑھیا حضرت خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اس سے
معافی مانگی۔ معذرت کی اور مناسب ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اللہ، اللہ کیا
اخلاق اور رعایا پروری تھی۔

خلیفہ منصور اور ایک نڈر ناصح

ایک سال خلیفہ منصور حج کو مکہ معظمہ گیا۔ اور مقام "الندوہ" میں قیام کیا۔ یہ وہ مشہور مکان تھا۔ جہاں اسلام سے پہلے قریش سردار مشورے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے منصور روزانہ خانہ کعبہ میں طواف کے لئے ایسے وقت میں جانا چاہتا اور جاتا تھا جب کہ وہاں کوئی نہ ہو ایک روز کچھ رات رہے وہ طواف کر رہا تھا کہ ایک ایسی آواز کان میں آئی۔ کہ وہ چونک پڑا۔ دیکھا کہ ایک شخص غلاف کعبہ کو تھامے بہت درد کے ساتھ یہ دعا کر رہا ہے۔

خدایا میں تیرے سامنے فریاد لے کر آیا ہوں کہ دنیا میں اب فتنہ و فساد بہت پھیل گیا ہے۔ ظالم اور لالچی حق داروں کے حق مار رہے ہیں اور مظلوم کی کوئی حمایت نہیں کرتا۔ انصاف اور خدا کا خوف دونوں ناپید ہو گئے ہیں اے دنیا پر تنہا حکومت کرنے والے معبود! تیرا رحم کب تک ان مفسدوں کو مہلت دیئے جائے گا اور تیرا قہر کب تک ان ظالموں پر نازل نہ ہوگا۔

منصور یہ دل ہلا دینے والی فریاد سن کر سیدھا اپنی قیام گاہ پہ آیا

اور اپنے اردلی کے سوار کو بھیجا کہ اس وقت جو شخص کعبہ میں طواف کر رہا ہو اسے فوراً یہاں لے آؤ۔ سوار جاکر پکڑ لایا۔

منصور نے نہایت غصے کے ساتھ دیکھ کر کہا خدا سے تم کس کی شکایت کر رہے تھے فتنہ و فساد کس نے دنیا میں مچا رکھا ہے اور وہ کون ظالم لالچی ہے جو لوگوں کے حقوق مارتا ہے۔ خدا سے نہیں ڈرتا اور غریبوں پر ظلم کرتا ہے۔

وہی شخص:۔ امیر المومنین جو شخص لالچ میں گرفتار ہے۔ جو لوگوں کے حقوق غصب کر رہا ہے جس کے سبب فتنہ و فساد پھیل گیا ہے۔ وہ حقیقت میں حضور ہی ہیں۔

منصور غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور بگڑ کر بولا۔ او کمبخت میں کیوں کر فتنہ و فساد کا باعث اور ظالم و لالچی ہو سکتا ہوں اتنی بڑی حکومت اور دولت میرے ہاتھ میں ہے۔ سونے چاندی کے ڈھیر میرے دروازے پر لگے ہوئے ہیں میری بادشاہی سے دنیا کانپتی ہے۔ میں کیا کسی کا حق دباؤں گا اور کسی کا مال لالچ سے چھینوں گا۔

وہی شخص:۔ امیر المومنین آپ جیسا لالچ تو کسی میں ہو ہی نہیں سکتا خدا نے آپ کو مسلمانوں کے معاملات و مال کا محافظ بنایا۔ آپ نے ان کے معاملات کو دوسروں پر چھوڑ دیا۔ آپ خود خدا کے بندوں کی فریاد نہیں سنتے۔ انصاف سے کام نہیں لیتے۔ صرف مال و دولت جمع کرنے میں رات دن مشغول ہیں۔ آپ نے اپنے اور اپنی رعایا کے بیچ میں ایسی سنگین دیوار کھینچ دی ہے کہ کوئی شخص آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کے دروازے

پر ہتھیار بند سپاہی پہرہ دیتے ہیں۔ اور آپ کا حکم ہے کہ خاص آدمیوں کے سوا کوئی ہمارے سامنے نہ آنے پائے اور خاص آدمی وہی ہیں جنھیں آپ نے اپنے فائدے کے لئے چن چن کر رعایا پر حاکم بنایا ہے۔ آپ نے کبھی اس کا خیال نہ کیا کہ ننگی، بھوکی، محتاج و ضرورت مند رعایا آسانی سے آپ تک پہنچ کر دکھ درد بیان کر سکے اور اپنا حق پا سکے جنھیں آپ نے حاکم بنایا ہے۔ یہ دیکھ کر کہ آپ روپیہ جمع تو کرتے ہیں لیکن خرچ نہیں کرتے۔ یہ کہا کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین خود خدا اور رسول کے احکام کی پروا نہیں کرتے۔ رعایا کے معاملات میں انصاف اور ایمان داری سے کام نہیں لیتے ہم بھی ایسا ہی کیوں نہ کریں۔ ان سب نے اتفاق کر لیا ہے کہ رعایا سے جا و بیجا روپیہ وصول کر کے کچھ آپ کو دے دیں اور کچھ خود کھائیں حکومت میں جس طرح آپ اور یہ لوگ شریک ہیں۔ اسی طرح خدا اور رسول کی اطاعت نہ کرنے اور ظلم و ستم کرنے میں شریک ہیں۔ آپ حکام سے غافل ہیں۔ رعایا سے بے خبر ہیں۔ شریعت کے احکام سے بے پروا ہیں۔ خدا اور رسول سے بے خوف ہیں پھر اس کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ کہ آپ کی حکومت رحم و انصاف کی حکومت ہوگی۔ جب کوئی مظلوم آپ کے دروازے پر آتا ہے تو ایک افسر کو پاتا ہے جسے آپ نے مظلوموں کی فریاد سننے کے لئے مقرر کیا ہے۔ جب یہ افسر دیکھتا ہے کہ ظلم و زیادتی کرنے والا آپ کا کوئی دوست ہے یا آپ اس پر مہربان ہیں تو نہ وہ مظلوم کی حمایت کر سکتا ہے

نہ ظالم سے بدلہ دلا سکتا ہے۔ اور نہ اسے سزائے مناسب دے سکتا ہے ہر روز
فریادی اور اس کے معاملے کو ٹالتا رہتا ہے۔ آخر فریادی مایوس ہوکر صبر کرتا
ہے اور انصاف سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے یا اگر کچھ ہمت ہوئی تو آپ کی
سواری نکلنے کا انتظار کرتا ہے۔ پھر مدتوں کے بعد اگر اسے اپنی فریاد آپ
کے کانوں تک پہنچانے کا موقع مل بھی جاتا ہے تو اردلی کے سوار مار کر ہٹا
دیتے ہیں۔ تاکہ پھر کوئی سیدھا آپ تک پہنچنے کی جرأت ہی نہ کرے۔ آپ ان
سب باتوں کو دیکھتے اور خاموش رہتے ہیں۔ منع نہیں کرتے کہ مظلوموں کے
ساتھ بدسلوکی نہ کریں۔ بنو امیہ کے زمانے میں رعایا میں سے جب کوئی کسی
گورنر یا تحصیلدار کی شکایت کرتا تو خلیفہ فوراً اس کی فریاد سنتے انصاف سے
کام لیتے اور شکایت دور کر دیتے۔

امیر المومنین دولت جمع کرنے کے تین ہی سبب ہو سکتے ہیں۔
(اوّل) یہ کہ حکومت کو مضبوط اور ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے
پس آپ سے پہلے جو بادشاہ گذر چکے ہیں ان کا حال سنئے تو معلوم ہو کہ جب
خدا نے انھیں تباہ کرنا چاہا۔ نہ فوج کام آئی اور نہ خزانہ۔
(۲) دوسرے یہ کہ آپ اپنی اولاد کے لئے روپیہ جمع کریں۔ لیکن اگلے
دولت مندوں کی اولاد کا حال دیکھئے تو معلوم ہو کہ انھوں نے اپنی اولاد کے
لئے جائدادیں خریدیں۔ خزانے جمع کئے۔ مگر نالائق اولاد نے چند ہی روز

ہیں ان کی جائداد وں کو رہن رکھا یا بیچ ڈالا۔ باپ دادا کے جمع کئے ہوئے خزانوں کو بے دردی سے برباد کر دیا۔

(۳) تیسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے منصب اور اقبال میں ترقی ہو۔ تو یاد رکھئے کہ دولت سے عزت و مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اصلی مرتبہ وہی ہے جو آدمی کو عمل صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا کے نزدیک نیک آدمی ہی کی عزت ہے۔

یہ زبردست تقریر جوش اور اثر سے بھری ہوئی تھی۔ منصور خاموشی سے سنتا رہا۔ ایک ایک لفظ اس کے دل میں اتر گیا اور پورا اثر کر گیا اس نے سمجھ لیا کہ یہ حق بات کہہ رہا ہے۔ اس کے دل پر حکومت کا خوف اور حاکم کا رعب نہیں ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے۔ سچ کہا۔ غرض منصور کا جی بھر آیا بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور وہ دیر تک چپکے چپکے رویا کیا۔ پھر کہا۔

اے دلیر ناصح، اور اے سچے انسان! تیری نصیحت نے میرے دل پر نشتر کا کام کیا اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں۔ مگر میں کیا کروں کہ بدکار دغاباز، بدخواہ میرے پاس آکے جمع ہوتے ہیں۔ نیک دل خیر خواہ ایمان دار اور حق کہنے والے عقلمند پاس تک نہیں آتے آخر مجھے انھیں سے کام لینا پڑتا ہے۔

اس نے جواب دیا۔ امیر المومنین! آپ خدا کے بندوں پر اپنے دروازے کھول دیجئے۔ دربانوں کو الگ کر دیجئے اور اس سنگین دیوار کو بیچ سے ہٹا دیجئے۔ مظلوموں کی حمایت کیجئے۔ اور ظالموں کے ساتھ مروت سے

نہ پیش آئیے۔ جو دولت آپ جمع کرتے ہیں۔ انصاف کے ساتھ مستحق لوگوں پر بانٹ دیجئے جن کے حق آپ پر ہیں انھیں پوری طور پر ادا کیجئے تو میں ذمہ لیتا ہوں کہ جو لوگ پاس نہیں آتے بلکہ آپ کا نام سن کر بھاگتے ہیں۔ وہی دوڑ دوڑ کر آئیں گے اور آپ کی خیر خواہی کا حق ادا کریں گے۔ سلطنت و حکومت کے کام میں آپ کو مدد دیں گے۔

منصور۔ میں تمھاری نصیحتوں پر عمل کرنے کی انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا۔ گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ موذن نے حیّ علی الصلوٰۃ کی آواز بلند کی بادشاہ اور سب حاضرین نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نماز سے فارغ ہو کر بہت تلاش کیا مگر اس پر جوش ناصح کا کہیں پتہ نہ تھا۔

